قرآن اکیڈمی

انجمن خدام القرآن سندھ کراچی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ

آئینہ انجمن

ذی القعدہ 1447ھ / مئی 2026ء

شمارہ نمبر: 86

021-34993436-7

www.QuranAcademy.edu.pk

مرکزی دفتر انجمن خدام القرآن سندھ کراچی رجسٹرڈ B-375 علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6 گلشن اقبال، کراچی۔

آئینۂ انجمن

فہرست مضامین

نمبر	عنوان	مصنف	صفحہ
01	فرمان باری تعالیٰ و فرمان نبوی ﷺ	---	02
02	وقت کی قدر اور ہماری ترجیحات	ڈاکٹر انوار علی ابرار	03
03	حمد باری تعالیٰ و نعت رسول پاک ﷺ	ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی / جگر مراد آبادی	04
04	ملفوظات صدر مؤسس انجمن خدّام القرآن	ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ	05
05	اقتباس نگران انجمن خدّام القرآن	شجاع الدین شیخ	06
06	پیغام قرآن (چوتھی قسط)	حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ	07
07	احساس مظلومیت اور احساس ذمہ داری	فاروق احمد	10
08	قرآن اور تجوید	حسنین اختر	13
09	حج: خودی کی نفی، رب سے قرب	ابو رفیع معراج اللہ	19
10	قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ	امین اللہ معاویہ	23
11	عید الاضحیٰ: اسوۂ ابراہیمی علیہ السلام اور فلسفۂ قربانی	حافظ حذیفہ محمود	28
12	بچوں کی خاموش سسکیاں اور ہماری مادی دوڑ	احمد حمدی	31
13	انجمن خدّام القرآن کے تحت جاری سرگرمیاں	ماہانہ رپورٹ	34
14	شعبہ ملٹی میڈیا	ماہانہ رپورٹ	39

فرمانِ الٰہی جل جلالہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا [آل عمران: 103]

ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

تشریح: قرآن حکیم نے صرف اتحاد و اتفاق اور تنظیم و اجتماع کا وعظ ہی نہیں فرمایا بلکہ اس کے حاصل کرنے اور باقی رکھنے کا ایک ایسا منصفانہ و عادلانہ اصول بھی بتلا دیا جس کے ماننے سے کسی گروہ کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے، وہ یہ ہے کہ کسی انسانی دماغ یا چند انسانوں کے بنائے ہوئے نظام و پروگرام کو دوسرے انسانوں پر تھوپ کران سے یہ امید رکھنا کہ وہ سب اس پر متفق ہوجائیں گے عقل و انصاف کے خلاف اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں، البتہ رب العالمین کا دیا ہوا نظام و پروگرام ضرور ایسی چیز ہے کہ اس پر سب انسانوں کو متفق ہونا ہی چاہیے، کوئی عقلمند انسان اس سے اصولاً انکار نہیں کرسکتا، اب اگر اختلاف کی کوئی راہ باقی رہتی ہے تو وہ صرف اس بات کے پہچاننے میں ہوسکتی ہے کہ احکم الحاکمین، رب العالمین کا بھیجا ہوا نظام کیا اور کونسا ہے۔ یہودی نظام تورات کو، نصاریٰ نظام انجیل کو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا واجب التعمیل بتلاتے ہیں، یہاں تک کہ مشرکین کی مختلف جماعتیں بھی اپنی اپنی مذہبی رسوم کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ لیکن اول تو اگر انسان اپنے جماعتی تعصب اور آبائی تقلید سے ذرا بلند ہو کر اپنی عقل خداداد سے کام لے تو یہ حقیقت بے نقاب ہو کر اس کے سامنے آجاتی ہے کہ خاتم الانبیاء ﷺ جو اللہ تعالیٰ کا آخری پیام قرآن کی صورت میں لائے ہیں، آج اس کے سوا کوئی نظام اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں، اس سے بھی قطع نظر کیجیے تو اس وقت مخاطب مسلمان ہیں جن کا اس پر ایمان ہے کہ آج قرآن کریم ہی ایک ایسا نظام حیات ہے جو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے، اور چونکہ خود حق تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے، اس لیے قیامت تک اس میں کسی قسم کی تحریف و تغییر کا بھی امکان نہیں۔ اگر مسلمانوں کی مختلف پارٹیاں قرآن کریم کے نظام پر متفق ہوجائیں تو ہزاروں گروہی اور نسلی و وطنی اختلافات ایک لحظے میں ختم ہوسکتے ہیں، جو انسانیت کی ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔ (معارف القرآن..... مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

فرمانِ نبوی ﷺ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ- (مشكوة المصابيح، رقم الحديث: 167)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی (حقیقی) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی ہدایت و تعلیم کے تابع نہ ہوجائیں۔

تشریح: حدیث کا پیغام اور مدعا یہ ہے کہ حقیقی مومن وہی ہے جس کا دل و دماغ اور جس کی خواہشات و رجحانات آپ کی لائی ہوئی ہدایت و تعلیم (کتاب و سنت) کے تابع ہوجائیں یہ آپ پر ایمان لانے اور آپ کو خدا کا رسول مان لینے کا لازمی اور منطقی نتیجہ بھی ہے اگر کسی کا یہ حال نہیں ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کو حقیقی ایمان ابھی نصیب نہیں ہوا ہے وہ اس کی فکر اور اپنے کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرے۔ (معارف الحدیث)

وقت کی قدر اور ہماری ترجیحات

ڈاکٹر انوار علی ابرار

قرآن مجید فرقان حمید اللہ کا کلام ایسا خزانۂ حق ہے جس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس دنیا کے شعور و ادراک سے بالاتر ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کلام میں انسان سے ایمان کے وہی تقاضے بیان کیے ہیں جو اس کی آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا کی کامیابی کا ضامن بھی ہیں۔ قرآن مومنوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ [المؤمنون: 3]

ترجمہ: ''اور یہ (اہل ایمان) لوگ لغو سے اعراض کرتے ہیں''۔

لغو کا سادہ مفہوم لایعنی کام ہیں۔ وقت برباد کرنے والے ایسے کام جن کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں۔ یہی عنوان ہے ''وقت کی قدر'' جس کی اہمیت کا انکار کوئی سمجھدار آدمی نہیں کرسکتا۔ دنیاوی اعتبار سے بھی کامیاب انسان وہی بن پاتا ہے جو وقت کی قدر کرتا ہے۔ البتہ محض دنیا کی کامیابی کا تصور ایک انتہائی ادھورا تصور ہے بلکہ ایک دھوکا ہے۔ انسان اپنی زندگی کے حصار میں قید ہے اور لمحہ بہ لمحہ اس کے اختتام کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ہر انسان جو دنیا میں آیا ہے اپنے حصے کی دولت حاصل کرنے کی کوشش میں لگا ہے اور اس کی قیمت چکا رہا ہے۔ دنیا کی کوئی بھی دولت ہو چاہے مال ہو یا شہرت یا اقتدار اس کی قیمت دینی پڑتی ہے۔ یہ قیمت انسان کا وقت ہے۔ وہ اپنے وقت کو بیچتا ہے اور اس کے بدلے دنیا کی کوئی منزل پاتا ہے۔ دنیا کے سمجھدار لوگ آنے والے وقت کو بہتر بنانے کے لیے موجودہ وقت کو کھپاتے ہیں اور بالعموم سمجھدار آدمی وہ کہلاتا ہے جو اپنے بڑھاپے کے لیے دولت اکٹھی کرلے۔ جب کہ بوڑھا ہو جانے کے بعد یہ دولت اس کے کسی کام کی نہیں رہتی۔ یہی وہ فریب ہے جس میں انسانوں کی اکثریت بتلا ہے۔

سرور دوعالم ﷺ جو انسانوں کو اصل کامیابی سے روشناس کروانے اور ان کی اس اصل منزل کی طرف رہنمائی فرمانے کے لیے تشریف لائے، اس موضوع پر کلام فرماتے ہیں:

الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا ثُمَّ تَمَنَّى عَلَى اللَّهِ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث: 4260)

''عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے، اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے، اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشوں پر لگا دے، پھر اللہ تعالیٰ سے تمنائیں کرے''۔

ایک حدیث کے مفہوم کے مطابق جنتیوں کو جنت میں ہر اس لمحے پر حسرت ہوگی جو دنیا میں اللہ کی یاد کے بغیر گزرا ہوگا۔ یہی اصل قیمت ہے اس وقت کی کہ اس کو اصل منزل یعنی آخرت کی تیاری میں لگایا جائے۔ دنیا کی زندگی چاہے جتنی بھی طویل ہو جائے بہر حال اسے ختم ہونا ہے اور پھر وہ اصل زندگی شروع ہونا ہے جو ہمیشہ ہمیش باقی رہنے والی ہے۔ اس اصل زندگی کا پہلا باقاعدہ مرحلہ حساب کتاب ہے، جہاں ہر گزارے ہوئے وقت کا حساب ہوگا۔ اسی مرحلے پر باقی کی زندگی کا دارومدار ہے کہ وہ انعام والی ہوگی یا خدانخواستہ سزا والی۔ اللہ ہمیں اپنے وقت کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حمدِ باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ

میرے رب! کُل کا آسرا تو ہے — سب میں مخلوق، اک خدا تو ہے
گلستانوں کو تو نے مہکایا — اور صحراؤں کی بقا تو ہے
تو نے روشن کیا ستاروں کو — مہ و خورشید کی ضیا تو ہے
وحدہ لاشریک ذات تری — حَيٌّ وَ قَيُّومٌ اے خدا تو ہے
تو ہی رازق ہے کُل جہانوں کا — ساری خلقت کو پالتا تو ہے
سارے نبیوں نے دی یہی تعلیم — لائقِ سجدۂ کبریا تو ہے
ہر کڑے وقت میں مرے معبود — اپنے عابدؔ کا آسرا تو ہے

(ڈاکٹر خواجہ عابد نظامیؔ)

نعتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ — ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطانِ مدینہ
اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق — تو خلد ہے تو جنتِ سلطانِ مدینہ
ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم — شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ
اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروف عبادت — دیکھوں میں درِ دولتِ سلطانِ مدینہ
کونین کا غم، یادِ خدا، دردِ شفاعت — دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ
اس امت عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا — نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ
کچھ اور نہیں کام جگر مجھ کو کسی سے — کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

(جگر مرادآبادی)

ملفوظاتِ صدرِ موٴسّس انجمن خُدّامُ القرآن، کراچی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

قوم کا اصل مرض: نفاق

پاکستانی قوم اِس وقت اس اعتبار سے اجتماعی منافقت کا شکار ہو چکی ہے۔ صرف کچھ افراد ہیں جو اِس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ یہ بھٹکی ہوئی قوم اپنی راہ اور منزل کو دوبارہ یاد کرلے:

کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو

تو ایسے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ استثناءات سے تو قانون بالکل ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ Exceptions prove the rule وہ قانون یہ ہے کہ آج ہم بحیثیت مجموعی دنیا کی منافق ترین قوم ہیں۔

ہمارے ہاں دو قسم کے نفاق پیدا ہو چکے ہیں۔ ایک قومی نفاق ہے۔ پہلے ہم ہندوؤں کے مقابلے میں ایک قوم تھے۔ ہم نے اپنی تحریک کے لیے ''دو قومی نظریہ'' کو بنیاد بنایا۔ آج ہم نفاقِ باہمی کا شکار ہوکر قومیتوں میں تحلیل ہوگئے۔ اب الگ الگ قومیں ہیں۔ دوسرا نفاق کردار کا ہے، یعنی جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت۔ حضور ﷺ نے فرمایا: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ- (متفق علیہ) ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بولے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے، کہیں امین بنایا جائے تو خیانت کرے''۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ- ''چاہے وہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو''۔ یہ تین چیزیں ہمارے ہاں عوامی سطح پر تو جس طرح ہیں سب کو معلوم ہے، لیکن قابل توجہ اور قابل حذر بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو جتنا اونچے درجے پر ہے اتنا ہی جھوٹا، اتنا ہی وعدہ خلاف اور اتنا ہی بڑا خائن ہے۔ سینکڑوں ہزاروں تو کیا اب اربوں کی خیانتیں ہوتی ہیں، غبن در غبن ہے۔ گویا ہم اس وقت قومی سطح پر نفاق کے مریض ہیں۔

اس نفاق کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ''عذابِ ادنیٰ'' کی شکل میں 1971ء میں ہم پر نازل ہوا۔ ہمیں زبردست شکست ہوئی، ہمارے 93 ہزار فوجی ہتھیار پھینک کر ہندوستان کی قید میں چلے گئے۔ پاکستان دو لخت ہوا۔ ہمارے ٹائیگر جنرل نیازی نے جنرل اروڑہ کو اپنا پستول پیش کردیا۔ یہ بدترین اور شرمناک ترین شکست تھی۔

(موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں اسلام اور پاکستان کا مستقبل)

اقتباس نگرانِ انجمن خُدّامُ القُرآن، کراچی

شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ

قرآن سے اعراض اور امت کا زوال

آج ہم ان ہدایات کو بھول رہے ہیں اسی لیے معاشرے کا یہ حال ہے اور جس کتاب سے ہدایت لے کر انفرادی اور اجتماعی زندگی کو سنوارنا تھا اُس کتاب کو ہم نے محض ثواب کے لیے رکھا ہوا ہے۔ قرآن مجید کے نسخے مسجدوں میں رکھوا دیے یا اس کے سائے میں بیٹی کو رخصت کر دیا۔ حالانکہ قرآن کو نہ بیٹی کھولتی ہے نہ اس کے ماں باپ کھولتے ہیں کہ اس میں لکھا کیا ہے؟ کیا یہ قرآن شکایت لے کر کھڑا نہیں ہوگا؟ کیا صاحب قرآن ﷺ شکایت لے کر کھڑے نہیں ہوں گے؟ ارشاد ہوتا ہے:

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا [الفرقان: 30] ’’اور رسول نے کہا (یا رسول کہے گا): اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز بنا دیا۔‘‘

چھوڑ دیا کا مطلب ہے کہ نہ تلاوت کر رہے ہیں، نہ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، نہ اس کو اللہ کی سب سے بڑی نعمت سمجھ کر اپنے شب و روز میں اس سے ہدایت حاصل کر رہے ہیں، نہ اس کے احکامات پر عمل کا لحاظ ہے اور نہ اس کے نفاذ کی کوشش ہے۔ نہ ختم نبوت کے بعد اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی فکر ہے۔ اگر آج یہ فکر نہیں ہے اور اس کے باوجود ہم حضور ﷺ کی شفاعت کی تمنا بھی رکھتے ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں تو سوچیے! اگر حضور ﷺ شکایت لے کر کھڑے ہو جائیں تو کوئی ہمیں بچا سکے گا؟ اس حوالے سے ہمیں سوچنا چاہیے۔

کیا خوب بات ہو کہ اگر ہمارے نظام تعلیم میں قرآن حکیم باقاعدہ ایک سلیبس کے طور پر موجود ہو۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ ذرا وسیع تر بات کرتے تھے کہ اجتماعی سطح پر یونیورسٹیز کے لیول پر قرآن ایک مین کتاب کے طور پر پڑھائی جائے۔ باقی علوم کو ثانوی درجے میں رکھا جائے۔ لیکن ہم نے دوسرے علوم کا جتنا بھاری سلیبس بچوں پر لادا ہوا ہے اتنا ہی معاشرے میں اخلاق، حیا اور اعمال کا جنازہ نکل رہا ہے۔ جتنا بڑا تعلیم یافتہ ہے اتنا بڑا وہ فراڈ بھی کر رہا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہم نے تعلیم میں سے رب کو نکال دیا ہے۔ جب کہ قرآن کے نزول کی ابتدا ہی اس حکم پر ہوئی تھی: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ [العلق: 01] ’’پڑھیے اپنے اُس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔‘‘

(ندائے خلافت، شمارہ نمبر 6، خطاب جمعہ امیر محترم شجاع الدین شیخ صاحب، 22 مارچ 2022ء)

پیغام قرآن (چوتھی قسط)

حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ

حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک 1432ھ (مطابق 2011ء) میں قرآن اکیڈمی، ڈیفنس میں نمازِ تراویح کے دوران دورۂ ترجمہ قرآن کا شرف حاصل کیا۔ یہ مبارک سلسلہ نہ صرف سامعین کے قلوب کو منور کرگیا، بلکہ اس کی مکمل ویڈیو ریکارڈنگ بھی کی گئی، جواب ''پیغامِ قرآن'' کے عنوان سے محفوظ اور دستیاب ہے۔

سورۃ البقرہ:

دوسرے رکوع کی ابتدائی آٹھ آیات میں منافقین کا ذکر آئے گا، جو نہ پوری طرح ادھر تھے اور نہ پوری طرح اُدھر، بلکہ بین بین رہنے والے تھے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸

اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور ایمان لائے آخرت کے دن پر اور وہ حقیقت میں مومن نہیں ہیں۔ جھوٹے دعوے کر رہے ہیں۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

وہ دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں اللہ کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جو ایمان لائے اور وہ دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

یہ غیر شعوری منافق ہیں۔

یہ جان بوجھ کر منافقت نہیں کر رہے تھے۔ ابتدا میں یہ خلوص کے ساتھ ایمان لائے تھے، لیکن جب دین کے تقاضے ان کے سامنے آئے تو انہوں نے پسپائی اختیار کرلی۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا (یعنی وہ ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر اختیار کرلیا)۔ یہی مضمون سورۃ المنافقون میں بھی بیان ہوا ہے۔

یہ اللہ اور اہلِ ایمان کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ کسی اور کو نہیں بلکہ اپنے آپ ہی کو دھوکا دے رہے ہیں، مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰

ان کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے تو اللہ نے انہیں اور بڑھا دیا اس بیماری کے اعتبار سے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس لیے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

دنیا کی محبت بھی ایک مرض ہے۔ مال، جان اور دنیا سے حد سے بڑھی ہوئی محبت بھی دل کی ایک بیماری ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت مچاؤ۔

یہ ایک فسادی روش ہے کہ بظاہر تم مسلمانوں میں شامل ہو، لیکن جا کر دوستیاں یہودیوں سے کرو۔ یہ تو فساد مچانا ہے کہ اِدھر کی بات اُدھر پہنچاتے ہو اور اُدھر کی بات اِدھر۔

قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱

وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ہیں ہی اصلاح کرنے والے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح صلح ہوجائے، دونوں فریقوں کے درمیان باہمی ربط اور تعلق قائم ہو، اور وہ کسی مناسب طریقے سے دوبارہ آپس میں مل جائیں۔

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲

جان لو کہ یہی فسادی ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

جو شخص حق و باطل کے درمیان مصالحت کی کوشش کرے، وہ درحقیقت فساد کی راہ ہموار کرتا ہے، کیوں کہ حق اور باطل میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔

باطل دُوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بھئی ایسے ایمان لاؤ کہ جیسے کہ دوسرے لوگ ایمان لائے۔

جیسے یہ مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان لائے، اسی طرح انہوں نے کتنی عظیم قربانی دی کہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کی اور مدینہ آ گئے۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَاۗءُ

وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے ایمان لائیں جیسے کہ یہ احمق ایمان لائے ہیں۔ ان کے نزدیک (معاذ اللہ) صحابۂ کرام گویا ناسمجھ یا احمق ہیں۔ حقیقت کیا ہے!

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

جان لو کہ یہی احمق ہیں لیکن وہ جانتے نہیں ہیں۔

صحابۂ کرام نے دنیا میں قربانیاں دے کر بڑی دور اندیشی کا ثبوت دیا، کیوں کہ انہوں نے اپنی آخرت سنوار لی۔ حقیقت میں سب سے بڑا نادان اور بے وقوف وہ ہے جو صرف دنیا بنانے کے چکر میں اپنی آخرت برباد کر لے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۴

جب بھی ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ خلوت میں تنہائی میں ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس (اپنے سرداروں کے پاس) تو ان سے کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں بے شک ہم مسلمانوں سے مذاق کر رہے ہیں۔

جب یہ یہودی علما کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کے اس استہزاء کا جواب دے گا۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّھُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَھُوْنَ ۝۱۵

اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے، تو وہ اپنی سرکشی میں بہتے چلے جاتے ہیں۔

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۶

یہ وہ بدنصیب ہیں جنھوں نے لے لیا ہے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں تو ان کی تجارت ان کے لیے کچھ فائدہ مند نہ ہوئی اور نہ ہی وہ ہوئے ہدایت پانے والے۔

مَثَلُھُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا

ان کی مثال ایسے ہے جیسے کہ ایک شخص نے جلائی آگ

یہ اشارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔ باہر ہر طرف اندھیرا تھا، ہدایت کا نور موجود نہ تھا۔ ایسے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور لوگوں کے لیے ہدایت کا چراغ روشن کر دیا۔

فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

توجب اس آگ نے اپنے گرد گرد کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ ان کا نور لے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت سلب کر لی اور ان کی آنکھوں کو روشنی سے محروم کر دیا۔ اور ان کو چھوڑ دیا اندھیروں میں کہ وہ نہیں دیکھ سکتے۔

یعنی پہلے باہر ہر طرف اندھیرا تھا، ہدایت کی روشنی موجود نہ تھی۔ اگر یہ لوگ ہدایت حاصل کرنا بھی چاہتے اور حق کی طرف راستہ تلاش کرنا بھی چاہتے تو ممکن نہ تھا، کیوں کہ خارج میں روشنی ہی موجود نہ تھی۔ لیکن جب نبی اکرم ﷺ تشریف لائے، ہدایت کا چراغ روشن ہوا اور حق کا راستہ نمایاں ہو گیا، تو اب ان کی محرومی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت سلب کر لی۔ اب یہ اندھے ہو چکے ہیں، لہٰذا روشن ہونے کے باوجود بھی ہدایت کے راستے کو نہیں دیکھ سکتے۔ یہ مثال پکے کافروں کی ہے، جیسے ابو جہل اور اس کے ساتھی، کہ روشنی موجود ہونے کے باوجود بھی وہ اسے دیکھنے سے محروم رہے۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

وہ بہرے ہیں وہ گونگے ہیں اور وہ اندھے ہیں پس وہ لوٹنے والے نہیں ہیں۔ وہ اپنے موقف پر اڑے ہوئے ہیں۔

اب مثال آرہی ہے منافقین کی:

اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَ اللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾

یا بارش کی مثال جو آسمان سے آتی ہے اس میں اندھیرے بھی ہوتے ہیں، گرج بھی ہوتی ہے اور چمک بھی ہوتی ہے اور وہ ڈالتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں بجلیوں کے ڈر سے اور موت کے خوف سے اور اللہ تعالیٰ ان کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لینے سے وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔

یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ

قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہوں پر وار کرے، ان کی نگاہوں کو خیرہ کر دے۔ جب بھی وہ بجلی ان کے لیے روشنی کرتی ہے اس میں چل پڑتے ہیں۔ یعنی جب انہیں کوئی فائدہ نظر آتا ہے تو یہ منافقین ساتھ دینے لگتے ہیں اور اسی سمت چل پڑتے ہیں۔

وَ اِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا

اور جب وہ بجلی ان پر اندھیرا کر دیتی ہے تو یہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یہ ایسے لوگ ہیں جو مشکل گھڑی میں ساتھ نہیں دیتے، ان کی رفاقت صرف اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک انہیں اپنا فائدہ دکھائی دیتا رہے۔

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو چھین لے ان کی سماعت بھی اور ان کی بصارت بھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں سماعت اور بصارت کی نعمت سے محروم کر دے۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس منافقانہ کردار سے محفوظ فرمائے، اور ہمیں اپنے دین کی خدمت تن، من، دھن کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ حق کے لیے مال و جان کی قربانی دینے کی ہمت اور سعادت نصیب فرمائے۔

یہ سورۃ البقرہ کے وہ دو رکوع ہیں جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تین کردار ہمارے سامنے واضح فرمائے ہیں:

ایک کردار پکے مومنوں کا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں وہ کردار عطا فرمائے۔

دوسرا کردار دین کے پکے دشمنوں کا ہے، اور یہ کردار بھی ہر دور میں موجود رہے گا۔

تیسرا کردار وہ ہے جس سے ہمیں خود بھی ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ہم اس کا شکار نہ ہو جائیں، اور وہ ہے منافقین کا کردار۔

(جاری ہے۔۔۔)

احساسِ مظلومیت اور احساسِ ذمہ داری

فاروق احمد

استاذ قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

تمہید

انسانی زندگی میں پیش آنے والے حالات بسا اوقات ایک جیسے ہوتے ہیں، مگر ان حالات کے نتیجے میں بننے والی شخصیات اور زندگیاں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہو جاتی ہیں۔ کوئی انہی حالات میں نکھر کر سامنے آتا ہے اور کوئی ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔ اس فرق کو محض قسمت، وسائل یا ماحول سے منسوب کر دینا ایک سطحی تجزیہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زندگی کی سمت کا تعین زیادہ تر اس کے باطنی رویے، فکری زاویۂ نظر اور داخلی فیصلے کرتے ہیں۔

نفسیات، اخلاقیات اور دینی تعلیمات کے تناظر میں اگر انسانی رویّوں کا جائزہ لیا جائے تو دو کیفیات نہایت نمایاں نظر آتی ہیں:

احساسِ مظلومیت اور احساسِ ذمہ داری۔

یہ دونوں رویّے بظاہر ایک ہی طرح کے دکھ، محرومی یا ناانصافی سے جنم لے سکتے ہیں، مگر ان کے اثرات، نتائج اور انجام ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔

ایک مثال: حالات ایک، نتائج مختلف

معاشرے میں اس حقیقت کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ ایک ہی طرح کے حالات دو انسانوں کو بالکل مختلف راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ غربت، یتیمی، ناکامی یا ناانصافی — یہ سب ایسے تجربات ہیں جو کسی کو مایوس کر کے ساکن کر دیتے ہیں اور کسی کو سنوار کر آگے بڑھا دیتے ہیں۔ سوال یہ نہیں کہ کس پر کیا گزری، بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ انسان نے اس تجربے کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا اور اس سے کیا سیکھا۔

یہی وہ نکتہ ہے جہاں احساسِ مظلومیت اور احساسِ ذمہ داری کے درمیان فرق واضح ہونا شروع ہوتا ہے۔

احساسِ مظلومیت: مفہوم اور پس منظر

احساسِ مظلومیت وہ ذہنی کیفیت ہے جس میں انسان یہ مان لیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں پیش آنے والی مشکلات اور ناکامیوں کا بنیادی ذمہ دار خود نہیں بلکہ دوسرے افراد، حالات یا نظام ہیں۔ ابتدا میں یہ کیفیت اکثر کسی حقیقی تکلیف، ناانصافی یا محرومی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے، اور اس کا پیدا ہونا ایک فطری انسانی ردِ عمل بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ وقتی ردِ عمل مستقل طرزِ فکر بن جائے۔ رفتہ رفتہ انسان اپنی شناخت ہی مظلوم ہونے کے گرد تشکیل دینے لگتا ہے۔ اس مرحلے پر احساسِ مظلومیت ایک نفسیاتی پناہ گاہ بن جاتا ہے، جہاں انسان کو یہ سہولت میسر آ جاتی ہے کہ وہ اپنی غلطیوں، کمزوریوں اور فیصلوں پر نظرِ ثانی سے بچ سکے۔

احساسِ مظلومیت کی نفسیاتی و اخلاقی علامات:

اس ذہنی کیفیت میں مبتلا انسان کی گفتگو اور سوچ میں چند نمایاں رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ بار بار اس بات کا تذکرہ کرتا ہے کہ اسے کبھی مناسب موقع نہیں ملا اور حالات ہمیشہ اس کے خلاف رہے۔ آہستہ آہستہ وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کی کوئی کوشش نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی۔ نفسیات کی زبان میں اس کیفیت کو ''سیکھی ہوئی بے بسی'' کہا جاتا ہے، یعنی انسان خود کو عملاً بے اختیار مان لیتا ہے۔

اخلاقی سطح پر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دل میں ناشکری، غصہ اور بدگمانی جنم لینے لگتی ہے۔ دوسروں کی کامیابی یا خوش حالی اسے اپنی محرومی کا ثبوت محسوس ہوتی ہے، اور وہ لاشعوری طور پر خود کو ہر معاملے میں حق پر اور دوسرے کو قصوروار سمجھنے لگتا ہے۔

انفرادی اور معاشرتی اثرات:

احساسِ مظلومیت صرف فرد کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے اثرات رشتوں اور معاشرے تک پھیل جاتے ہیں۔ مسلسل شکوہ اور الزام تراشی قریبی تعلقات میں تھکن اور بیزاری پیدا کر دیتی ہے۔ اختلافات حل ہونے کے بجائے بڑھتے چلے جاتے ہیں، کیوں کہ ہر معاملے میں خود کو مظلوم ثابت کرنا اصل مسئلے کی نشاندہی اور حل کی راہ مسدود کر دیتا ہے۔

معاشرتی سطح پر یہی رویّہ اجتماعی مایوسی، بے عملی اور انتشار کو جنم دیتا ہے، جہاں ہر طبقہ خود کو مظلوم اور دوسرے کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔

فکر اور اختیار: انسانی زندگی کا بنیادی فرق

انسانی زندگی کو سمجھنے کے لیے ایک اہم اصول کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ زندگی میں کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کی ہمیں فکر تو ہوتی ہے مگر وہ ہمارے اختیار میں نہیں ہوتے، جیسے ماضی کے واقعات، دوسروں کا رویہ یا عمومی حالات۔ اس کے مقابلے میں کچھ امور ایسے ہوتے ہیں جو براہِ راست ہمارے اختیار میں ہوتے ہیں، مثلاً ہمارا ردِ عمل، ہماری محنت، ہمارے فیصلے اور ہماری ترجیحات۔

احساسِ مظلومیت میں مبتلا انسان اپنی توانائی زیادہ تر ان امور پر صرف کرتا ہے جو اس کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں، جب کہ احساسِ ذمہ داری رکھنے والا انسان اپنی توجہ ان معاملات پر مرکوز رکھتا ہے جن پر اسے واقعی اختیار حاصل ہوتا ہے۔ یہی نقطہ زندگی کے رخ کو تبدیل کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

احساسِ ذمہ داری: مفہوم اور حقیقت

احساسِ ذمہ داری کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ہر چیز کا بوجھ اپنے سر لے لے یا حقیقت سے آنکھیں بند کر لے۔ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں اپنے دائرہَ اختیار کو پہچانے اور اس دائرے میں اپنی ذمہ داری پوری دیانت اور سنجیدگی سے ادا کرے۔

ایسا انسان یہ سمجھتا ہے کہ حالات اس کے قابو میں نہیں، مگر ان حالات میں اس کا طرزِ عمل، اس کی محنت اور اس کے فیصلے مکمل طور پر اس کی ذمہ داری ہیں۔ وہ اپنی غلطی تسلیم کرنے کو کمزوری نہیں بلکہ اصلاح کا دروازہ سمجھتا ہے، اور شکایت کے بجائے بہتری کی راہیں تلاش کرتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں توازن:

اسلام انسان کو نہ تو بے اختیار مخلوق بنا کر پیش کرتا ہے اور نہ ہی اسے مطلق خود مختار قرار دیتا ہے۔ قرآنِ کریم انسان کو زمین میں خلیفہ قرار دے کر اسے ذمہ داری اور اختیار کا شعور دیتا ہے، اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح کرتا ہے کہ تبدیلی کا آغاز انسان کے اپنے اندر سے ہوتا ہے۔

''اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ لائے''۔ [الرعد: 11]

اس کے ساتھ ساتھ اسلام مظلوم کی فریاد کو اہمیت دیتا ہے اور ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کی تعلیم دیتا ہے، مگر مظلومیت کو مستقل ذہنی کیفیت اور شناخت بنانے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ نبی کریم ﷺ کی یہ ہدایت کہ ''اونٹ باندھ کر توکل کرو'' اسی توازن کا جامع اظہار ہے، جہاں انسانی کوشش اور اللہ پر بھروسا ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

عملی پہلو: اصلاح کی سمت

اگر کوئی فرد یا معاشرہ احساسِ مظلومیت کے دائرے میں پھنسا ہوا محسوس کرے تو اس سے نکلنے کا راستہ خود احتسابی سے شروع ہوتا ہے۔ اپنی زندگی کے تجربات کا ایماندارانہ جائزہ لینا، سوالات کا رخ ماضی کے شکووں سے مستقبل کی ذمہ داریوں کی طرف موڑنا، اور الزام تراشی کے بجائے عمل کو ترجیح دینا اس سفر کے اہم مراحل ہیں۔

اسی طرح چھوٹی سطح پر ذمہ دارانہ فیصلے کرنا اور مثبت طرزِ فکر رکھنے والے افراد کی رفاقت اختیار کرنا انسان کو آہستہ آہستہ اس نفسیاتی قید سے آزاد کرتا ہے۔

نتیجہ

زندگی میں دکھ، آزمائش اور ناانصافی ایک حقیقت ہیں، مگر ان کے سامنے انسان کا رویہ ہی اس کی شخصیت اور انجام کا فیصلہ کرتا ہے۔ احساسِ مظلومیت انسان کو ماضی کا اسیر بنا دیتا ہے، جب کہ احساسِ ذمہ داری اسے حال میں باوقار اور مستقبل میں مؤثر بناتا ہے۔ اسلامی تعلیمات، نفسیاتی اصول اور انسانی تجربہ سب اس حقیقت پر متفق ہیں کہ باوقار اور بامقصد زندگی وہی ہے جس میں انسان اپنی ذمہ داری کو پہچانے، اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرے، اور اللہ پر بھروسا رکھتے ہوئے مسلسل اصلاح اور پیش رفت کی راہ اختیار کرے۔

واللہ ولیّ التوفیق

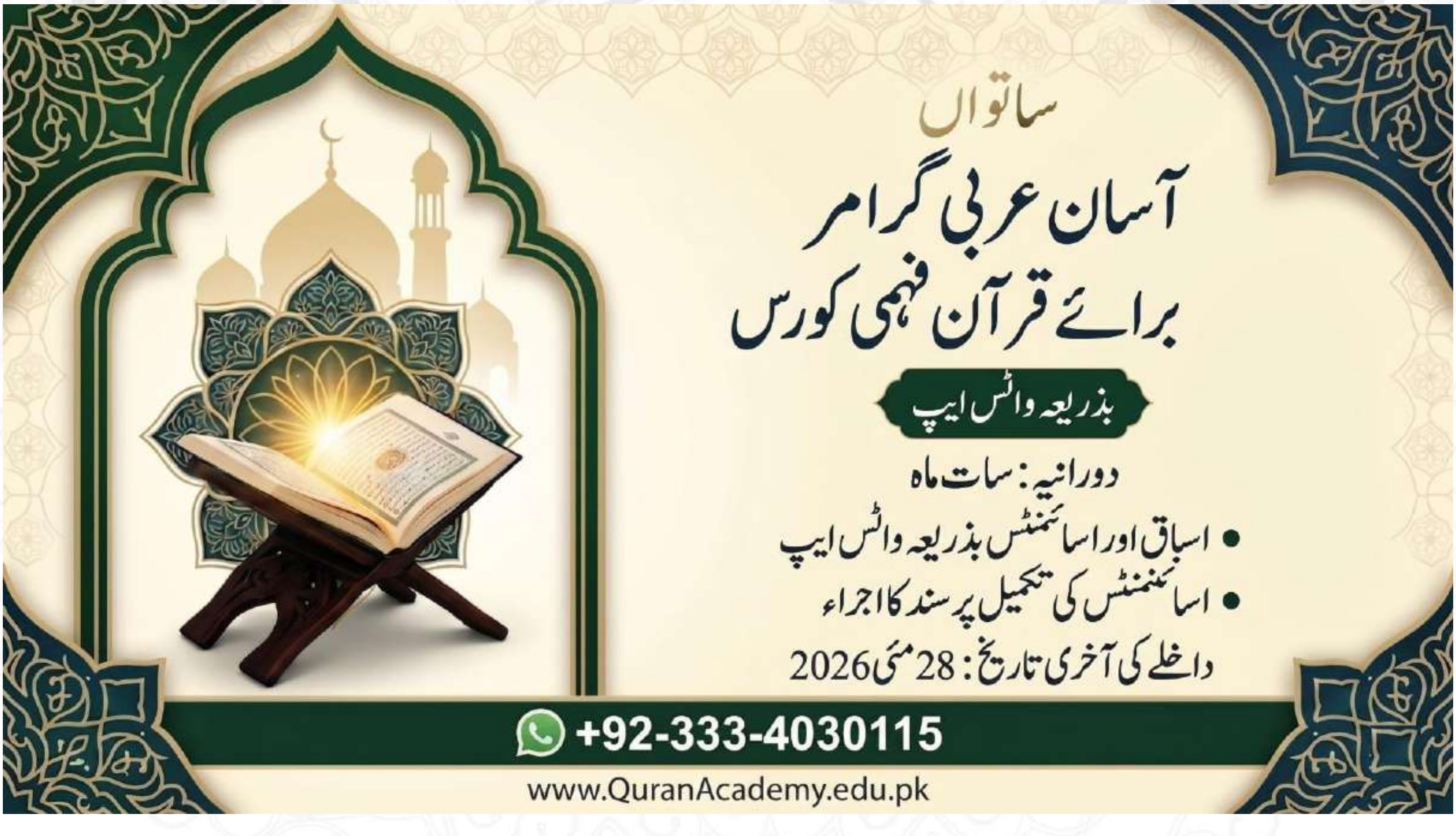

قرآن اور تجوید

حسنین اختر

سابق طالب علم رجوع الی القرآن کورس سال دوم، قرآن اکیڈمی یاسین آباد

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے جس کی تلاوت ایک عظیم عبادت ہونے کے ساتھ ایک ذمہ داری بھی ہے، اور اس کا حق یہ ہے کہ اسے اسی درست اور خوبصورت انداز سے پڑھا جائے جس طرح یہ نازل ہوا اور امت تک پہنچا۔ اسی مقصد کے لیے علمِ تجوید سکھایا گیا تاکہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج اور صفات کے ساتھ ادا ہو اور تلاوت میں حسن، تاثیر اور وقار پیدا ہو۔ ائمۂ قراءت میں خصوصاً امام ابن الجزری ؒ نے اپنی مشہور منظومہ ''المقدمۃ الجزریۃ'' میں تجوید کے بنیادی اصول نہایت جامع اور بلیغ انداز میں بیان فرمائے ہیں، جن میں اس کی فرضیت، حقیقت اور عملی طریقہ سب سمیٹ دیا گیا ہے۔ ذیل میں انہی اہم اشعار کی مختصر شرح پیش کی جا رہی ہے تاکہ قاری اپنی تلاوت کو با حق اور با حسن بنا سکے۔

شعر نمبر :1

وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لَّازِمُ

مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرْآنَ آثِمُ

ترجمہ : اور تجوید کے ساتھ پڑھنا لازم اور ضروری ہے۔ جو شخص قرآن کو تجوید کے ساتھ نہیں پڑھتا وہ گنہگار ہے۔

تشریح : امام جزری ؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو تجوید کے قواعد و ضوابط کے مطابق پڑھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ تجوید سیکھے بغیر قرآن پڑھنا، جس سے حروف یا معنی بدل جائیں، گناہ کا باعث ہے۔

شعر نمبر :2

لِأَنَّهُ بِهِ الْإِلٰهُ أَنْزَلَا

وَهٰكَذَا مِنْهُ إِلَيْنَا وَصَلَا

ترجمہ : کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن تجوید ہی کے ساتھ نازل فرمایا ہے، اور اسی طرح تجوید کے ساتھ ہی یہ قرآن ہم تک پہنچا ہے۔

تشریح : یہ دو مصرعے تجوید کے واجب ہونے کی دلیل ہیں۔ اس میں امام صاحب فرما رہے ہیں کہ قرآن کو اسی اندازِ تلاوت یعنی تجوید کے ساتھ نازل کیا گیا اور اسی طرح تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے یہ کوئی اختیاری چیز نہیں ہے کہ جسے چاہو اختیار کرو اور جسے چاہو چھوڑ دو۔ یعنی قرآن مجید کی تلاوت کا جو صحیح طریقہ ہے، وہ کوئی خود سے بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل ؑ کے ذریعے نبی کریم ﷺ کو اسی انداز سے سکھایا اور آپ ﷺ سے صحابہ ؓ نے، صحابہ سے تابعین نے، اور یوں سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچا۔ اس لیے تلاوت میں 'اجتہاد یا قیاس' کی گنجائش نہیں، بلکہ اسی طرح پڑھنا لازم ہے جیسے اساتذہ سے تلقی ہو۔

تلقی کا مطلب : تلقی عربی لفظ ہے جس کا مطلب ہے ''سامنے بیٹھ کر سیکھنا'' یا ''استاد سے براہِ راست حاصل کرنا''۔

'اساتذہ سے تلقی ہو' کا مطلب : قرآن مجید کو کسی ماہر استاد کے سامنے بیٹھ کر، زبانی مشق کے ذریعے سیکھنا۔ استاد پڑھے، شاگرد سنے اور دہرائے۔ شاگرد پڑھے، استاد سنے اور غلطیوں کی اصلاح کرے۔

قرآن کے معاملے میں تلقی کیوں ضروری ہے؟

1. تواتر: قرآن ہمیں اسی طرح پہنچا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو پڑھ کر سنایا، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور یہ سلسلہ آج تک ایسے ہی چل رہا ہے۔

2. مخارج وصفات: کتابوں سے پڑھ کر حروف کا صحیح مخرج، غنہ، مد، قلقلہ وغیرہ نہیں سیکھا جاسکتا۔ یہ صرف سن کر اور استاد کی اصلاح سے ہی آتا ہے۔

3. لحن الاداء: آواز کا انداز، ٹھہراؤ، نبر ((Nabr) عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی "آواز کا اتار چڑھاؤ" یا "کسی حرف پر زور دینا" ہیں۔ تجوید میں 'نبر' کا مطلب ہے کہ کسی خاص حرف پر اچانک آواز بلند کی جائے تاکہ پڑھتے ہوئے حمزہ یا مد کی آواز واضح رہے اور الفاظ ملنے نہ پائیں)۔ یہ سب چیزیں لکھی نہیں جاسکتیں، صرف استاد سے سن کر سیکھی جاتی ہیں۔

اسی لیے ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لِأَنَّهُ بِهِ الْإِلٰهُ أَنْزَلَا — اللہ نے جس انداز سے نازل کیا، وہی انداز ہمیں استاد سے تلقی کے ذریعے ملا۔ کتاب یا قیاس سے خود اندازہ لگانا جائز نہیں۔

خلاصہ: تجوید کے بغیر پڑھنا گویا اس طریقے کے خلاف پڑھنا ہے جس طریقے سے اللہ نے نازل کیا اور جس طریقے سے قرآن ہم تک پہنچا۔ اسی لیے امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پہلے شعر میں فرمایا: مَنْ لَمْ يُجَوِّدِ الْقُرآنَ آثِمُ-

شعر نمبر: 3

وَهُوَ أَيْضًا حِلْيَةُ التِّلَاوَةِ
وَزِيْنَةُ الْأَدَاءِ وَالْقِرَاءَةِ

ترجمہ: اور یہ تلاوت کا زیور ہے، اور ادائیگی اور قراءت کی زینت ہے۔

تشریح: اس شعر میں ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ تجوید کے ساتھ، صحیح انداز اور لحن الاداء سے قرآن پڑھنا تلاوت کا حُسن اور زیب و زینت ہے۔ جس طرح زیور انسان کو خوبصورت بنا دیتا ہے، اسی طرح تجوید اور صحیح ادائیگی قرآن کی تلاوت کو خوبصورت بنا دیتی ہے۔ اس کے بغیر تلاوت بے روح ہو جاتی ہے۔

یہاں 'حلیۃ' اور 'زینۃ' دونوں کا مطلب خوبصورتی اور آرائش ہے۔ یعنی تجوید محض الفاظ کی درستگی کا نام نہیں، بلکہ تلاوت کو مزین کرنے اور اس کا حق ادا کرنے کا نام ہے۔

'تلاوت بے روح ہو جاتی ہے' کا مطلب:

ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ اسی طرف ہے۔ مطلب یہ کہ تجوید اور صحیح لحن الاداء کے بغیر تلاوت میں وہ تاثیر، حلاوت اور رعب باقی نہیں رہتا جو اللہ کے کلام کا خاصہ ہے۔

کیسے بے روح ہوتی ہے؟

1. معانی متاثر ہوتے ہیں: اگر نبر غلط جگہ ہو، وقف غلط ہو، یا حروف کی صفات ادا نہ ہوں تو کبھی مطلب ہی بدل جاتا ہے۔ جیسے اَنْعَمْتَ میں تاء پر زبر کے بجائے زیر پڑھ دیں تو اَنْعَمْتِ ہو جائے گا — معنی بدل گیا۔

2. عربی فصاحت ختم ہو جاتی ہے: قرآن عربی مبین ہے۔ جب اسے عجمی لہجے میں، حروف کو بگاڑ کر، یا بے ڈھنگے انداز سے پڑھا جائے تو وہ فصاحت اور بلاغت ظاہر نہیں ہوتی جو اس کا اعجاز ہے۔

3. دل پر اثر نہیں ہوتا: صحیح تجوید سے پڑھی ہوئی تلاوت میں رقت، خشوع اور ہیبت طاری ہوتی ہے۔ حروف کی ادائیگی، مد، غنہ، ترقیق و تفخیم — یہ سب مل کر تلاوت میں روح ڈالتے ہیں۔ ان کے بغیر تلاوت خشک الفاظ کا ایک مجموعہ لگتی ہے۔

مثال: جیسے کوئی خوبصورت نظم بے وزن اور بے سُرے انداز میں پڑھی جائے تو اس کا لطف ختم ہو جاتا ہے، حالانکہ الفاظ وہی ہوتے ہیں۔

ویسے ہی قرآن کے الفاظ تو ادا ہو جائیں گے، مگر وہ نورانیت اور تاثیر نہیں رہے گی جو تجوید کے ساتھ آتی ہے۔

اسی لیے کہا گیا: وَهوَ أَيْضًا حِلْيَةُ التِّلَاوَةِ— تجوید تلاوت کا زیور ہے۔ زیور اتار دو تو چیز بے رونق لگتی ہے۔

شعر نمبر: 4

وَهُوَ إِعْطَاءُ الْحُرُوفِ حَقَّهَا
مِنْ صِفَةٍ لَهَا وَمُسْتَحَقِّهَا

ترجمہ: اور وہ یہ ہے کہ حروف کو ان کا حق دیا جائے، ان کی صفت سے اور جو ان کا مستحق ہے اس سے۔

تشریح: یہ شعر تجوید کی جامع ترین تعریف ہے۔ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تجوید یہ ہے کہ ہر حرف کو اس کا حق اور اس کا مستحق دے دیا جائے۔

حق اور مستحق میں فرق:

1. حق الحرف: وہ صفاتِ لازمہ جو حرف سے کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ جیسے 'ق' میں استعلاء اور قلقلہ، 'س' میں ہمس اور صفیر، 'ن' میں غنہ۔ یہ ہر حال میں ادا کرنا حرف کا حق ہے۔

2. مستحق الحرف: وہ صفاتِ عارضہ جو کبھی آتی ہیں کبھی نہیں۔ جیسے 'ر' کا کبھی موٹا ہونا کبھی باریک ہونا، 'ن' کا اظہار، اخفاء، ادغام، اقلاب ہونا، یا مد کی مقداریں۔ یہ حرف کا مستحق ہے— یعنی موقع کے لحاظ سے اس کا حق ہے۔

خلاصہ: تجوید کا مطلب ہر حرف کو وہ تمام صفات دینا ہے جو اس کے ساتھ لازمی ہیں اور وہ عارضی احکام بھی دینا جو قاعدے کے مطابق اس پر آئیں۔ اسی سے تلاوت باحسن اور باحق ہوتی ہے۔

'اسی سے تلاوت باحسن اور باحق ہوتی ہے' کی تشریح:

یہ جملہ الجزریۃ کے اس شعر کی وضاحت ہے: وَهُوَ إِعْطَاءُ الْحُرُوفِ حَقَّهَا، مِنْ صِفَةٍ لَهَا وَمُسْتَحَقِّهَا- یعنی جب ہر حرف کو اس کا 'حق' اور مستحق دے دیا جائے تب ہی تلاوت دو وصفوں سے متصف ہوتی ہے:

1. باحق ہونا: 'حق' کا مطلب ہے قرآن کا وہ حق ادا ہونا جو اللہ نے نازل کرتے وقت رکھا تھا کہ ہر حرف اپنے مخرج سے نکلے۔ ہر حرف کی لازمی صفات ادا ہوں: 'ق' میں قلقلہ، 'ط' میں اطباق، 'س' میں صفیر۔

عارضی احکام درست ہوں: نون ساکن کا اخفاء، ادغام، اظہار اپنی جگہ پر ہو۔ مد، وقف، ابتدا سب قاعدے کے مطابق ہوں۔ جب یہ سب ادا ہو جائیں تو آپ نے قرآن کا 'حق' ادا کر دیا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے جوابدہی سے بری ہونے والی تلاوت ہے۔ ان شاء اللہ

2. باحسن ہونا: 'حسن' کا مطلب ہے خوبصورتی اور زینت۔ جب حروف درست ادا ہوں تو تلاوت میں قدرتی حلاوت، ترنم اور رعب پیدا ہوتا ہے۔ تفخیم و ترقیق اپنی جگہ پر، غنہ اپنی مقدار پر، مد اپنی درستگی پر— یہ سب مل کر تلاوت کو حِلْيَةُ التِّلَاوَةِ وَزِيْنَةُ الْأَدَاءِ وَالْقِرَاءَةِ بنا دیتے ہیں۔ سننے والے کے دل پر اثر ہوتا ہے، خشوع پیدا ہوتا ہے، قرآن کی عظمت طاری ہوتی ہے۔ یہی 'باحسن' ہے۔

خلاصہ: تجوید کے بغیر تلاوت نہ 'باحق' ہے کیوں کہ حروف کا حق مارا گیا، نہ 'باحسن' ہے کیوں کہ وہ زیور اتر گیا۔ دونوں کے لیے إِعْطَاءُ الْحُرُوفِ حَقَّهَا وَمُسْتَحَقِّهَا- شرط ہے۔

شعر نمبر: 5

وَرَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ لِأَصْلِهِ
وَاللَّفْظُ فِي نَظِيرِهِ كَمِثْلِهِ

ترجمہ: اور ہر حرف کو اس کے اصل کی طرف لوٹانا ہے، اور لفظ کو اس کے نظیر کے مثل کرنا ہے۔

تشریح: یہ شعر تجوید کے دو اہم اصول بیان کرتا ہے:

1. وَرَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ لِأَصْلِهِ: ''ہر حرف کو اس کے اصل کی طرف لوٹانا'' مطلب ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج اور اصلی صفت کے ساتھ ادا کرنا۔ 'ق' کو 'ک' نہ بنا دینا، بلکہ 'ق' کو زبان کی جڑ سے مفخم ادا کرنا۔ 'ض' کو 'د' یا 'ظ' نہ پڑھنا، بلکہ اس کی اپنی اصل صفت استطالہ کے ساتھ پڑھنا یعنی 'ض' کی ادائیگی کے وقت زبان کو شروع سے آخر داڑھوں تک لگانے سے آواز کو دراز کرنا۔ 'ع' کو 'ء' کی طرح نہ پڑھنا، بلکہ حلق کے وسط سے ترقیق کے ساتھ ادا کرنا۔ یعنی جو بگاڑ عوام نے پیدا کر دیا ہے، اس سے ہٹ کر حرف کو اس کی اصل حالت پر واپس لے آنا۔

2. وَاللَّفْظُ فِي نَظِيرِهِ كَمِثْلِهِ: ''اور لفظ کو اس کے نظیر کے مثل کرنا'' مطلب قرآن میں جو لفظ ایک جگہ جس طرح پڑھا گیا ہے، دوسری جگہ ویسے ہی پڑھا جائے۔ یکسانیت ہو۔ جہاں 'الرَّحْمٰنِ' میں راء موٹی پڑھی، ہر جگہ موٹی پڑھیں۔ جہاں مِنْ بَعْدِ میں نون کا اقلاب کیا، ہر جگہ نون + ب کے ملنے پر اقلاب مع الغنہ حرکتین تک کرنا۔ مد متصل واجب کو اگر چار حرکت کھینچا ہے تو پورے قرآن میں ہر مرتبہ چار حرکت کھینچو کہیں زیادہ یا کہیں کم نہیں کھینچنا۔ یعنی تلاوت میں تضاد نہ ہو، ایک ہی قاعدہ ہر جگہ یکساں لاگو ہو۔ یہی ضبط و اتقان ہے۔

''یہی ضبط و اتقان ہے'' کی تشریح:

یہ جملہ الجزریہ کے شعر: وَرَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ لِأَصْلِهِ، وَاللَّفْظُ فِي نَظِيرِهِ كَمِثْلِهِ کے بعد بطور نتیجہ کہا جاتا ہے۔

ضبط اور اتقان کا مطلب:

1. ضبط: ضبط کہتے ہیں ''پابندی، یکسانیت، اور قاعدے کی حفاظت''۔ جب آپ وَاللَّفْظُ فِي نَظِيرِهِ كَمِثْلِهِ- پر عمل کرتے ہیں تو آپ کے پڑھنے میں ضبط آ جاتا ہے۔ مد منفصل جائز کو اگر استاد سے دو حرکت سنا ہے تو ہر جگہ دو حرکت پڑھنا — کبھی 2 کبھی 4 کبھی 5 حرکت نہیں کرنا۔ اخفا حقیقی کے غنہ کو ہر جگہ مرقق اور مفخم اخفا کے حرف کے مطابق کرنا۔ کیوں کہ اخفا حقیقی کے غنہ کا انحصار حروف اخفا کے مرقق اور مفخم ہونے پر ہوتا ہے — کبھی ظاہر کر دینا، کبھی بالکل غائب کر دینا نہیں۔ یہ ضبط ہے — یعنی آپ کی تلاوت بے لگام نہیں، بلکہ ایک ضابطے میں بندھی ہوئی ہے۔

2. اتقان: اتقان کہتے ہیں ''مضبوطی، پختگی، اور غلطی سے پاک ہونا''۔ جب آپ: وَرَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ لِأَصْلِهِ- پر عمل کرتے ہیں تو آپ کی تلاوت میں اتقان آ جاتا ہے۔ ہر 'ض' کو اس کے مخرج سے، استطالہ کے ساتھ ادا کرنا — 'د' یا 'ظ' نہ بنانا۔ ہر 'ق' کو قلقلہ اور استعلا کے ساتھ پڑھنا — 'ک' نہ بنا دینا یعنی ترقیق کے ساتھ نہیں پڑھنا۔ یہ اتقان ہے — یعنی آپ کی تلاوت کچی نہیں، بلکہ پکی اور مضبوط بنیادوں پر ہے۔

خلاصہ: 'ضبط' تلاوت میں بے ترتیبی ختم کرتا ہے، 'اتقان' غلطی ختم کرتا ہے۔ دونوں مل جائیں تو تلاوت وہ بن جاتی ہے جو نبی ﷺ سے ہم تک پہنچی — نہ حرف بدلا، نہ انداز بدلا۔ اسی لیے اساتذہ کہتے ہیں: ''قرآن میں اجتہاد نہیں، اتباع ہے''۔ اور اتباع کا نام ہی ضبط و اتقان ہے۔

شعر نمبر: 6

مُكَمَّلًا مِنْ غَيْرِ مَا تَكَلُّفِ
بِاللُّطْفِ فِي النُّطْقِ بِلَا تَعَسُّفِ

ترجمہ: مکمل طور پر، بغیر کسی تکلف کے، نطق میں لطف کے ساتھ، بغیر کسی تعسف کے۔

تشریح: یہ شعر تجوید میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تجوید کے 3 درجے ہیں:

1. مُكَمَّلًا مِنْ غَيْرِ مَا تَكَلُّفِ: تلاوت مکمل ہو، یعنی تمام قواعد ادا ہوں — مگر بناوٹ اور تصنع کے بغیر۔ تکلف یہ ہے کہ قاری قلقلہ میں اتنا زور لگائے کہ 'ق' توپ بن جائے، یا غنہ کھینچ کر ناک میں چیخ پیدا کر دے۔ یہ منع ہے۔

2. بِاللُّطْفِ فِي النُّطْقِ: نطق میں نرمی، سہولت اور روانی ہو۔ حروف اپنے مخارج سے آسانی سے ادا ہوں۔ زبان پر بوجھ نہ ہو۔ سننے والے کو بھی لطف آئے، طبیعت پر گراں نہ گزرے۔

3. بِلَا تَعَسُّفِ: تعسف یعنی سختی، زبردستی، اور حد سے بڑھنا۔ نہ اتنا کھینچنا کہ مد 6 سے 10 حرکت ہو جائے، نہ اتنا دبانا کہ 'ص' اور 'س' میں فرق مٹ جائے۔

خلاصہ : تجوید کا مطلب ہے کہ قرآن پڑھتے وقت نہ ہم غلو کریں یعنی نہ ہم حد سے بڑھیں کہ تلاوت مشقت لگے نہ تقصیر یعنی تجوید کے احکامات پڑھنے میں نہ کمی کریں نہ کوتاہی کریں۔ نہ اتنا غفلت کہ حروف ضائع ہو جائیں، نہ اتنی سختی کہ تلاوت غیر فطری لگے۔ درمیانی راستہ ہے — مکمل، نرم، اور فطری اختیار کریں۔

اسی کو نبی ﷺ نے فرمایا: زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ — ''اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت دو اور آراستہ کرو''، مگر تکلف و تعسف کے بغیر کیوں کہ خوبصورت آواز سے قرآن کریم کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے معنی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

'نطق میں نرمی' کا مطلب :

بِاللُّطْفِ فِي النُّطْقِ — یعنی حروف کو ادا کرتے وقت زبان، ہونٹ اور حلق پر سختی نہ ہو، بلکہ روانی اور سہولت ہو۔

نرمی کیسے آتی ہے؟

1. مخرج صحیح ہو مگر آسان ہو:

ہر حرف اپنے مخرج سے نکلے، مگر اتنا زور نہ لگاؤ کہ گلے کی رگیں پھول جائیں۔ جیسے 'ع' حلق سے نکلے گا، مگر الٹی vomiting کی طرح نہیں — قلقلہ میں ہلکا سا ٹکراؤ ہو گا، مگر دھماکہ نہیں۔

2. صفات میں اعتدال ہو:

تفخیم : 'خ، ص، ض، ط، ظ، غ، ق' موٹے ہوں گے، مگر منہ ٹیڑھا کر کے نہیں پڑھنا۔ زبان کی جڑ بس اوپر اٹھے اور چہرہ نارمل رہے۔

غنہ : ناک کے بانسے یعنی ناک کی جڑ سے نکلے گا، مگر اتنا لمبا نہ ہو کہ سننے والا تنگ آ جائے۔ 2 حرکت فقط۔

مد : کھینچو ضرور، مگر سانس نہ پھولے۔ فطری روانی سے۔

3. تعسف سے بچنا:

تعسف یعنی سختی اور تکلف۔ بعض لوگ 'الضَّالِّينَ' میں ضاد کو اتنا دباتے ہیں کہ منہ سے تھوک نکلنے لگے، یا "ن" کا غنہ کرتے کرتے آواز ناک میں پھنس جائے۔ یہ تعسف ہے — منع ہے۔

مثال سے سمجھیں:

جیسے پانی نرمی سے بہتا ہے، رکاوٹ آئے تو بھی اپنا راستہ بنا لیتا ہے۔ ویسے ہی حروف مخارج کی رکاوٹوں سے ٹکرا کر نکلیں، مگر بہاؤ نہ رکے۔ نہ حرف دب جائے، نہ زبان اکڑ جائے۔

صحابہ کا طریقہ:

نبی ﷺ کی قراءت کے بارے میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَتْ قِرَاءَتُهُ مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا — حرف حرف الگ، واضح، مگر نرم اور ٹھہرے ہوئے انداز میں۔ لہٰذا تجوید کا کمال یہ ہے کہ سننے والا کہے 'کیا خوب پڑھا' — نہ یہ کہے 'کتنی مشکل سے پڑھ رہا ہے'۔

شعر نمبر: 7

وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَرْكِهِ
إِلَّا رِيَاضَةُ امْرِئٍ بِفَكِّهِ

ترجمہ : اور اس کے کرنے اور چھوڑنے کے درمیان، صرف آدمی کے منہ کی ریاضت یعنی مشق کا فرق ہے۔

تشریح : یہ بہت اہم شعر ہے۔ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تجوید کوئی راکٹ سائنس نہیں ہے۔

مطلب : تجوید سیکھنے والے اور نہ سیکھنے والے کے درمیان صرف ایک چیز کا فرق ہے — 'ریاضت' یعنی مشق۔

1. تجوید مشکل نہیں:

اس کے لیے آپ کو عالم یا مفتی بننے کی ضرورت نہیں۔ بس زبان، ہونٹ اور جبڑے کو درست عادت ڈالنی ہے۔ جیسے بچہ شروع میں 'ر' نہیں

بول پاتا، مشق سے سیکھ جاتا ہے۔ ویسے ہی 'ض، ظ، ق، ع' ہیں۔

2. 'فکہ' کیوں کہا؟

'فک' جبڑے کو کہتے ہیں۔ یعنی سارا کھیل منہ کی ورزش کا ہے۔ جس طرح باڈی بلڈر جم میں ورزش کر کے مسل بناتا ہے، قاری مشق سے مخرج پکا کرتا ہے۔ استاد کے سامنے بیٹھ کر بار بار دہرانا — یہی ریاضت ہے۔

3. ترک اور عمل میں فاصلہ کم ہے:

جو شخص تجوید چھوڑے ہوئے ہے، وہ صرف چند ہفتے یا مہینے کی محنت سے تجوید والا بن سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ استاد سے تلقی کرے یعنی استاد کے سامنے بیٹھ کر سنائے اور روزانہ ریاضت اور مشق کرے۔

خلاصہ: تجوید کا نہ ہونا قابلیت کی کمی نہیں، مشق کی کمی ہے۔ اور مشق آجائے تو بِاللُّطْفِ فِي النُّطْقِ والا مرحلہ بھی آجاتا ہے — یعنی زبان سے خود بخود لفظ صحیح ادا ہونے لگتا ہے، تکلف ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں: القرآن بالتَّلَقِّي وَالْمُشَافَهَة — قرآن بالمشافہ اور مشق سے آتا ہے، صرف کتابوں سے نہیں۔

@QuranAcademyYaseenabad QuranAcademyYaseenabad @QAYaseenabad @QAYaseenabad www.QuranAcademy.edu.pk

حج : خودی کی نفی، رب سے قرب

ابو رفیع معراج اللہ
معاون شعبہ تصنیف و تالیف قرآن اکیڈمی یاسین آباد

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس میں عبادات کو خاص اہمیت حاصل ہے کیوں کہ یہی عبادات انسان کو اپنے رب کے قریب کرتی ہیں اور اس کے اندر تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا کرتی ہیں۔ انہی عظیم عبادات میں سے ایک عظیم عبادت حج ہے، جو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں شامل ہے۔ حج نہ صرف ایک روحانی فریضہ ہے بلکہ یہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد، مساوات اور اخوت کا عظیم مظہر بھی پیش کرتا ہے۔ اس عبادت کے ذریعے مسلمان اپنی زندگی میں عاجزی، صبر اور قربانی جیسے اعلیٰ اخلاقی اوصاف کو اپنانے کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔

لغوی و اصطلاحی تعریف :

لفظ حج میں 'ح' پر فتحہ اور کسرہ دونوں مستعمل ہیں فتحہ کی صورت میں معنیٰ ہوگا قصد و ارادہ، اور کسرے کی صورت میں اسم ہے جو حج کا نام ہے۔

اصطلاح میں : اَلْحَجُّ هُوَ الْقَصْدُ اِلَى زِيَارَةِ الْاَمْكِنَةِ الْمَخْصُوْصَةِ فِي زَمَانٍ مَّخْصُوْصٍ بِاَفْعَالٍ مَّخْصُوْصَةٍ(المرقات) ''یعنی مخصوص زمانہ میں مخصوص افعال کے ساتھ مخصوص مقامات کی زیارت کا نام حج ہے''۔

حج کی فرضیت :

حج ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو عاقل، بالغ، آزاد اور صاحبِ استطاعت ہو۔ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ انسان کے پاس اتنا مال اور وسائل موجود ہوں کہ وہ اپنے گھر والوں کے لیے اخراجات چھوڑ کر آسانی سے سفرِ حج کر سکے۔

حج کی فرضیت قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور اجماع امت سے ایسے ہی ثابت ہے، جیسا کہ نماز، روزہ اور زکوۃ کی فرضیت ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ [آل عمران:97] ترجمہ : ''اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے، اور اگر کوئی انکار کرے تو اللہ دنیا جہاں کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے۔'' یہ آیت کریمہ حج کی فرضیت کے حوالے سے نص قطعی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا : وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۙ [الحج: 27] ترجمہ : ''اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں، اور دور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو (لمبے سفر سے) دبلی ہوگئی ہوں۔'' اسی طرح اور بہت سی آیات بھی حج کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں، لہٰذا جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا-(صحيح مسلم، رقم الحديث: 1337) ترجمہ : ''اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہٰذا حج کرو''۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِقَامَةِ الصَّلَاةِ

وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ. (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے : (1) اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور (2) نماز پڑھنا اور (3) زکوۃ دینا اور (4) بیت اللہ کا حج کرنا اور (5) رمضان کے روزے رکھنا۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں تو جو شخص ان میں سے کسی رکن کو ترک کرتا ہے وہ قصر اسلام کی عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے۔

حج کی فرضیت اجماع امت سے :

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے "بدائع" میں اور شیخ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے "لباب المناسک" میں حج کی فرضیت پر اجماع نقل کیا ہے :

وَأَمَّا الْإِجْمَاعُ فَلِأَنَّ الْأُمَّةَ أَجْمَعَتْ عَلَى فَرْضِيَّتِهِ. (بدائع:18/2) ترجمہ : ''تمام امت نے حج کی فرضیت پر اجماع کیا ہے''۔

الْحَجُّ فَرْضٌ مَرَّةً بِالْإِجْمَاعِ كُلِّ مَنِ اسْتَجْمَعَتْ فِيهِ الشَّرَائِطُ. (لباب المناسک، ص: 06) ترجمہ : ''حج ایک مرتبہ بالاجماع ہر اس شخص پر فرض کیا گیا ہے جس میں حج کی شرائط پائی جاتی ہیں''۔

حج اظہار عبودیت :

جس قدر عبادات ہیں سب کا مقصد اظہار عبودیت اور شکر نعمت ہے اور حج میں یہ دونوں باتیں پوری طرح سے پائی جاتی ہیں، کیوں کہ اظہار عبودیت سے مقصود اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار ہے اور حاجی کی حالت پر، بالخصوص احرام کے وقت اگر غور کیا جائے تو انتہائی تذلل ظاہر ہوتا ہے، اس کی ہر حرکت اور سکون سے عاجزی ظاہر ہوتی ہے۔ گھر بار، عزیز و اقارب، مال و دولت سب کو چھوڑ کر، بحری اور بری سفر کی تکالیف، بھوک و پیاس اور دوران رأس (سر چکرانا) وامتلا (متلی کی کیفیت ہونا) کی مصیبت کو برداشت کرتا ہوا، پراگندہ حال دیارِ محبوب کی طرف مجنونانہ وار دوڑا چلا جاتا ہے۔ آرائش و زیبائش کے لباس کو چھوڑ کر صرف ایک لنگی اور چادر لپیٹتا ہے، گویا کفن ساتھ لے لیا ہے اور درِ محبوب پر جان دینے کے لیے بے تاب ہے۔ ؎

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر
کہ مبادا بارِ دیگر نہ رسی بدیں تمنا

ترجمہ : ''جب محبوب کی گلی میں پہنچ جاؤ تو (اپنی) بے چین جان وہیں قربان کر دو، کیوں کہ ڈر ہے کہ پھر (کبھی) دوبارہ اس تمنا کے ساتھ (یہاں) نہ آسکو۔''

ظاہری حالت ایسی ہوتی ہے کہ بال و ناخن بڑھے ہوئے ہیں، میل و کچیل بدن پر جما ہوا ہے اور زبان پر لبیک لبیک (حاضر ہوں، حاضر ہوں) ہے۔ گویا محبوب آواز دے رہا ہے اور یہ نہایت محویت اور شوق کے ساتھ زبان حال وقال سے جواب دے رہا ہے۔ جب محبوب کے دربار میں پہنچتا ہے تو کبھی اس کے در و دیوار کو چومتا ہے (یعنی حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے) کبھی اس کے چاروں طرف گھومتا ہے، طواف کرتا ہے اور کہتا ہے : ؎

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلَى
أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي
وَلَكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

ترجمہ : ''جب میں لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو، یہ نہ سمجھو کہ میرے دل کو اس دیار (بستیوں) کی محبت نے بے چین و بیتاب بنا دیا ہے، بلکہ میرے دل کو اس کے رہنے والے کی محبت نے بے چین کیا ہے''۔

جب یہ دیکھتا ہے کہ اس ناچیز کو اس سعادت عظمی سے مشرف فرمایا گیا تو فوراً سجدہ شکر بجا لاتا ہے، (یعنی دوگانہ نماز پڑھتا ہے اور طواف

کرتا ہے۔ اپنی غلامی کا اظہار اور خدا کی معبودیت کا اقرار کرتا ہے) پس جب کہ حج اظہار عبودیت کا اعلیٰ ذریعہ ہے اور اظہار عبودیت واجب ہے تو حج بھی واجب ہے۔

نیز حج میں شکرِ نعمت بھی ہے، کیوں کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں: مالی، جس میں مال خرچ کرنا پڑتا ہے، جیسے زکوۃ، اور بدنی مشقت، جیسے نماز اور روزہ۔ مگر حج میں دونوں باتیں جمع ہیں، مال بھی صرف کرنا پڑتا ہے اور مصائب و متاعب بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں، اسی واسطے وجوبِ حج کے لیے مال اور صحت شرط ہے، گویا حج میں دونوں نعمتوں کا شکر ادا کیا جاتا ہے، کیوں کہ شکرِ نعمت یہ ہے کہ اس کو منعم کی اطاعت میں صرف کیا جائے اور شکرِ نعمت عقلاً، شرعاً، عرفاً ہر طرح فرض ہے تو حج بھی فرض ہے۔

فضائلِ حج:

حج کی خوبیاں اور فضیلتیں بے شمار ہیں، اس جگہ صرف چند احادیث، جن میں اجمالی طور پر حج کی فضیلت کا ذکر ہے، بیان کی جاتی ہیں، تاکہ حج کے فضائل سے آگاہی ہو اور ان فضائل کو پڑھ کر قلب میں حج کا داعیہ پیدا ہو اور ادائے فریضہ میں اعانت کا باعث ہو، کیوں کہ کسی چیز کی فضیلت اور فائدہ جب تک معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کام میں پوری رغبت نہیں ہوتی اور کام کرنا مشکل ہوتا ہے اور جب اس کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے تو اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور مشکل سے مشکل کام سہل ہو جاتا ہے۔

1-عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أفضَلُ؟ قَالَ: الْإِيْمَانُ بِاللهِ وَرَسُولِهِ، قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ، قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: حَجٌّ مُبْرُورٌ. (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا''۔ (پھر) عرض کیا گیا: اس کے بعد کونسا؟ فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا''۔ (پھر) عرض کیا گیا: اس کے بعد کونسا؟ فرمایا: ''حج مبرور''۔

2-وعنه قال: الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ. (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو ان کے درمیان میں سرزد ہوں اور حج مبرور کی جزا نہیں ہے مگر جنت۔

3- عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ. فَإِنّ مُتَابَعَةً بَيْنَهُمَا تَنْفِي الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ. (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 2887)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "حج اور عمرہ کو یکے بعد دیگرے ادا کرو، اس لیے کہ انہیں بار بار کرنا فقر اور گناہوں کو ایسے ہی دور کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو"۔

ان احادیثِ مبارکہ سے حج کی عظمت اور اس کی بے مثال فضیلت واضح ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف حج کو افضل اعمال میں شمار فرمایا بلکہ ''حج مبرور'' کو ایسی عبادت قرار دیا جس کا بدلہ صرف جنت ہے۔

تاخیر حج کی خطرناک وعید:

جب حج فرض ہو جائے تو جہاں تک ممکن ہو بہت جلد فریضۂ حج ادا کیا جائے اور تاخیر نہ کی جائے، جو شخص باوجود قدرت و استطاعت اور شرائط کے پائے جانے کے حج نہ کرے اس کے لیے حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ زندگی کا کوئی بھروسا نہیں، اس لیے فرض ہوتے ہی ادا کرنا چاہیے۔

1-عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولَ اللهِ ﷺ: مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ. (ابوداود، رقم الحدیث: 1732)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہے اس کو جلدی کرنی چاہیے''۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حج کرنے والوں کو، جن پر حج فرض ہو چکا ہے جلد حج کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، کیوں کہ بعض اوقات تاخیر

کرنے سے موانع اور عوارض پیش آجاتے ہیں اور انسان اس سعادتِ کبریٰ سے محروم رہ جاتا ہے۔

2-عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ، أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ، أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ، فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا، وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا. (مسند الدارمي، رقم الحديث:1823)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو کسی ضروری حاجت یا ظالم بادشاہ یا مرض شدید نے حج سے نہیں روکا اور اس نے حج نہیں کیا اور مر گیا تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے''۔

خدا کی پناہ! کس قدر سخت وعید ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو جن پر حج فرض ہو چکا ہے اور دنیوی اغراض یا سستی کی وجہ سے بلا شرعی مجبوری کے حج ادا نہیں کرتے سوءِ خاتمہ کی تنبیہ فرما رہے ہیں، کیوں کہ باوجود شرائط کے پائے جانے کے حج نہ کرنا، اور اگر حج کو فرض نہ ماننے کی وجہ سے ہے تو اس کا کفر ہونا ظاہر ہے، اور اگر عقیدہ فرضیت کا ہے اور کوئی شرعی عذر نہیں ہے لیکن سستی اور دنیوی ضروریات کی وجہ سے حج کو نہیں جاتا تو پھر یہ شخص یہود و نصاریٰ کے مشابہ ہے اور حج نہ کرنے کے لحاظ سے انہی جیسا ہے۔

ملحدین کا اعتراض اور ان کا جواب:

کچھ بے دین، نام نہاد دانشور لوگ یہ فلسفہ پیش کرتے ہیں کہ حج میں کتنا بڑا سرمایہ برباد ہوتا ہے؟ اور کتنا وقت لگ جاتا ہے، آخر حج کا مقصد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی عبادت تو ہر جگہ سے کی جا سکتی ہے، دنیا کے تمام لوگوں کا دور دراز علاقوں سے سفر کر کے ایک جگہ جمع ہونا آخر کیوں ضروری ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے فرمایا کہ حج کی اصل ہر ملت و مذہب میں موجود ہے، تمام قوموں میں میلوں ٹھیلوں، اور یاتراؤں کا رواج ہے، اسلام میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں:

- کوئی ایسی جگہ ہونی ضروری ہے جس سے لوگ برکت حاصل کریں، اور وہ جگہ اس لیے برکت والی ہے کہ لوگوں نے وہاں اللہ کی نشانیوں کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے قربانی کے طریقے بھی ہوں، خواہ وہ جانور کی قربانی ہو یا کوئی اور عمل ہو۔
- اور ایسی شکلیں بھی ہوں جو اکابر ملت سے مروی ہوں، جیسے احرام کا مخصوص لباس، طواف سعی اور شیطان کو کنکریاں مارنے کی شکلیں وغیرہ، تاکہ لوگ ان پر عمل کر سکیں، ان مخصوص شکلوں سے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ان اکابر کے احوال یاد آتے ہیں۔

ان تین چیزوں کے مجموعے کا نام حج ہے، ہر قوم میں اس کا رواج ہے، اسلام میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

اس لیے مسلمانوں کے حج پر اعتراض کرنا، اور اس پر جو رقم خرچ ہوتی ہے اس کو فضول سمجھنا، اور اس میں جو وقت لگتا ہے اس کو ضیاع سمجھنا اور دوسری اقوام کے میلوں، ٹھیلوں اور یاتراؤں وغیرہ پر اعتراض نہ کرنا، سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ ایسے بے دین لوگوں کو سوچنا چاہیے اور اپنا رویہ درست کر لینا چاہیے، ورنہ یہ عقل مندی اور دانش مندی کے خلاف ہے۔

حرفِ آخر:

اللہ تعالیٰ ہمیں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائے، ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور ہماری عبادات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ ہمیں اخلاص، تقویٰ اور عاجزی کے ساتھ دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے گھر کی زیارت بار بار نصیب کرے۔

آمین یا رب العالمین

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حیات، خدمات اور عہد کا پس منظر

امین اللہ معاویہ

فاضل جامعہ الصفہ، معاون شعبہ تصنیف و تالیف قرآن اکیڈمی یاسین آباد

برصغیر کی دینی، علمی اور فکری تاریخ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہایت احترام اور وقار کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ آپ اُن اکابر علما میں سے ہیں جنھوں نے نہ صرف علم و تدریس کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں بلکہ ایک ایسے نازک تاریخی دور میں امت کی رہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دیا جب مسلمان سیاسی، تعلیمی اور تہذیبی اعتبار سے شدید بحران کا شکار تھے۔

آپ کی زندگی کا مطالعہ دراصل ایک ایسے عہد کا مطالعہ ہے جس میں زوال، مزاحمت، تجدید اور احیا— یہ سب عناصر بیک وقت موجود تھے۔

ولادت، خاندانی پس منظر اور ابتدائی حالات:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ 10 مئی 1829ء (6 ذیقعدہ 1244ھ) کو گنگوہ، ضلع سہارنپور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش صاحب ایک جید عالمِ دین تھے اور روحانی نسبت سے بھی وابستہ تھے۔ اس دینی اور علمی ماحول نے آپ کی ابتدائی تربیت اور شخصیت سازی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن ہی میں حاصل کی، جس کے بعد آپ کرنال تشریف لے گئے جہاں اپنے ماموں کے پاس فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اُس زمانے میں فارسی علمی اور دفتری زبان کی حیثیت رکھتی تھی، اس لیے اس کی تحصیل کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

بعد ازاں 1261ھ میں آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی پہنچے جہاں آپ نے اپنے دور کے نامور اساتذہ سے استفادہ کیا۔ ابتدائی علوم آپ نے مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر استاذ سے حاصل کیے، جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں دہلی کے ممتاز علما میں شمار ہوتے تھے۔ اسی علمی حلقے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے، یوں دونوں حضرات کے درمیان علمی رفاقت قائم ہوئی جو بعد میں دینی تاریخ کا اہم حصہ بنی۔

دہلی میں آپ نے معقولات کی تعلیم مفتی صدرالدین آزردہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، جو اپنے وقت کے ممتاز فقیہ اور اہلِ علم میں سے تھے اور 1857ء کی تحریکِ آزادی سے بھی وابستہ رہے۔ اسی طرح آپ نے علمِ حدیث کی تکمیل ہندوستان میں خاندانِ شاہ ولی اللّٰہی کے آخری چشم و چراغ حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ شاہ صاحب علم ظاہر و باطن میں شہرہ آفاق ہیں۔ الحاصل حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ 21 سال کی عمر میں تمام علوم و فنون سے فارغ التحصیل ہو گئے اور واپس وطن تشریف لے گئے، اسی سال آپ کا نکاح آپ کے بڑے ماموں مولانا محمد تقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہوا، جو آپ کے استاذ بھی تھے اور بڑے پاکباز بزرگ تھے۔

آپ کے علمی سفر میں مختلف علوم و فنون کے اساتذہ شامل رہے، جن میں: صرف و نحو میں محمد بخش رامپوری رحمۃ اللہ علیہ، دہلی میں اعلیٰ تعلیم میں مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، معقولات میں مفتی صدرالدین آزردہ رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث میں شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ اسی دوران آپ کی علمی رفاقت بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے مضبوط ہوئی جو بعد میں ایک عظیم دینی تحریک کی بنیاد بنی۔

بیعت و سلوک کا واقعہ :

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی زندگی کا آغاز ایک اہم علمی اختلاف کے پس منظر میں ہوا۔ ایک موقع پر مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر پر علمی گفتگو کے بعد مناظرے کی نوبت آئی۔ اسی سلسلے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک بارات کے ساتھ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ نکاح وغیرہ کے امور سے فراغت کے بعد آپ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مناظرہ کا ارادہ ظاہر کیا۔

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت حکیمانہ انداز میں یہ فرما کر کہ ''وہ ہمارے بزرگ ہیں''، آپ کو مناظرے سے منع فرما دیا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کے اس حکم کو دل و جان سے قبول کیا اور فوراً مناظرے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسی موقع پر آپ نے بیعت کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدا میں تامل فرمایا، مگر حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش پر آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا۔

بیعت کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق ذکر و شغل میں پوری دلجمعی کے ساتھ خود کو مشغول کر دیا۔ یہاں تک کہ قلیل عرصے میں ہی اپنے شیخ کی خصوصی عنایت حاصل کر لی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ نے چند ہی دنوں میں آپ کو خلافت و اجازت بیعت عطا فرمائی۔ اس عظیم روحانی فیض کے ساتھ جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ واپس تشریف لائے تو آپ نے شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی قدیم خانقاہ، جو مدتوں سے ویران پڑی تھی، دوبارہ آباد کی۔ پھر آپ نے اپنی زندگی کو ذکرِ الٰہی، مجاہدہ اور اصلاحِ نفس کے لیے وقف کر دیا۔ یوں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بیعت صرف ایک رسمی تعلق نہ تھی بلکہ ایک ایسے روحانی انقلاب کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی، جس نے آگے چل کر ہزاروں انسانوں کی اصلاح اور ایک عظیم روحانی سلسلے کے فروغ کی بنیاد رکھ دی۔

تدریسی خدمات اور شخصی نظامِ تعلیم :

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد کسی باقاعدہ ادارے کے قیام کے بجائے اپنے وطن گنگوہ میں شخصی طرزِ تدریس کو اختیار فرمایا۔ اُس دور میں موجودہ طرز کے منظم اور باقاعدہ مدارس کا رواج نہیں تھا، بلکہ ایک صاحبِ علم شخصیت کسی مسجد یا مخصوص مقام پر بیٹھ جاتی اور اس کے گرد علمی حلقہ قائم ہو جاتا تھا، جہاں طلبہ آ کر علم حاصل کرتے تھے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً پچاس سال تک اسی سادہ مگر مؤثر نظام کے تحت تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ برصغیر کے دور دراز علاقوں سے طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ اس نظام میں نہ رہائش کا کوئی باقاعدہ انتظام تھا اور نہ طعام کا، بلکہ مقامی لوگ طلبہ کی خدمت اور کفالت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اس طرح ایک ایسا تعلیمی ماحول وجود میں آیا جو اخلاص، سادگی اور باہمی تعاون پر مبنی تھا۔ یہ طرزِ تعلیم اُس دور کے علمی مزاج اور معاشرتی خدمت کی ایک روشن مثال سمجھا جاتا ہے۔

1857ء سے قبل برصغیر میں درسِ نظامی ایک نہایت جامع اور ہمہ گیر تعلیمی نظام کے طور پر رائج تھا، جس میں دینی اور دنیوی علوم باہم مربوط تھے۔ اس نصاب میں قرآن و حدیث، فقہ، عربی و فارسی کے ساتھ ساتھ ریاضی، طب اور دیگر سائنسی علوم بھی شامل تھے۔ اس طرح یہ ایک متوازن نظام تھا جس میں دین اور دنیا کی کوئی واضح تفریق موجود نہیں تھی اور علم کو ایک وحدت کے طور پر پڑھایا جاتا تھا۔ تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی علمی روایت کو شخصی تدریس کے انداز میں آگے بڑھایا، جس نے بعد میں برصغیر کے دینی تعلیمی ڈھانچے کی فکری بنیادوں کو مضبوط کیا۔

1857ء کی جنگِ آزادی میں کردار :

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے 1857ء کی جنگِ آزادی کے دوران محض علمی خدمات تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ عملی طور پر جہاد میں بھی شریک ہوئے۔ اس عظیم تحریک میں آپ کے اساتذہ اور رفقا، خصوصاً مفتی صدرالدین آزردہ رحمۃ اللہ علیہ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نمایاں کردار ادا کیا، جو اس دور کی علمی و دینی قیادت کی اجتماعی جدوجہد کی واضح مثال ہے۔

شاملی کے محاذ پر ایک منظم دینی و عسکری جدوجہد کی گئی، جہاں عارضی طور پر ایک باقاعدہ نظمِ حکومت بھی قائم ہوا۔ اس نظام میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو امیر المؤمنین، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو کمانڈر انچیف، اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو چیف جسٹس مقرر کیا گیا۔ تھانہ بھون اس تحریک کا مرکزی دینی و روحانی مرکز تھا، جہاں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے گرد ایک مضبوط حلقہ قائم

تھا۔ اس حلقے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر رفقا، جن میں حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے، شریکِ جدوجہد تھے۔ اس جماعت نے منظم طور پر جہاد کا فیصلہ کیا، جنگ لڑی اور وقتی طور پر کامیابیاں بھی حاصل کیں۔ شاملی کے محاذ پر مسلمانوں نے علاقائی سطح پر نظم قائم کرکے ایک باقاعدہ حکومتی ڈھانچے کی صورت بھی اختیار کی، جہاں امیر المؤمنین اور عسکری وعدالتی مناصب متعین کیے گئے۔

اگرچہ بعد میں دہلی اور دیگر محاذوں پر انگریزی افواج کے غلبے کے باعث یہ نظام برقرار نہ رہ سکا اور مجاہدین کو پسپائی اختیار کرنا پڑی، تاہم یہ واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اُس دور کے علما اور صوفیا نے ضرورت کے وقت نہ صرف علمی و روحانی قیادت کی بلکہ عملی میدان میں بھی قیادت اور نظم و نسق سنبھالا۔

اس جدوجہد کے نتیجے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتاری کا سامنا بھی کرنا پڑا اور آپ نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، جو آپ کے عزم، استقامت اور دینی وابستگی کی روشن مثال ہے۔

1857ء کے بعد کا تعلیمی و سماجی پس منظر:

1857ء کے بعد برصغیر میں ایک ہمہ گیر سیاسی، سماجی اور تعلیمی تبدیلی رونما ہوئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعد براہِ راست برطانوی حکومت قائم ہوگئی، جس کے نتیجے میں پورا نظامِ حیات تبدیل ہوگیا۔ اس دور میں سرکاری زبان فارسی کی جگہ انگریزی نافذ کردی گئی، فقہِ اسلامی خصوصاً فقہِ حنفی کی جگہ برطانوی قانون رائج ہوا، اور تعلیمی نظام سے قرآن، حدیث، فقہ، عربی اور فارسی جیسے بنیادی دینی علوم کو خارج کردیا گیا۔

اس سے پہلے برصغیر میں درسِ نظامی کے تحت دینی اور سائنسی علوم ایک ہی نصاب میں باہم مربوط طور پر پڑھائے جاتے تھے، لیکن انگریزی اقتدار نے اس ہم آہنگ تعلیمی روایت کو ختم کردیا۔ اس تبدیلی کے نتیجے میں دینی علوم کے تحفظ اور ان کی بقا کی شدید ضرورت محسوس ہونے لگی، جس نے بعد میں دینی مدارس کے قیام کی فکری و عملی بنیاد فراہم کی۔

دارالعلوم دیوبند اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار:

1866ء میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کا بنیادی مقصد برصغیر میں دینی علوم خصوصاً قرآن، حدیث، فقہ اور عربی علوم کی حفاظت اور ان کے تسلسل کو برقرار رکھنا تھا۔ 1857ء کے بعد پیدا ہونے والے تعلیمی و تہذیبی بحران کے نتیجے میں یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ دینی علوم کا منظم سلسلہ منقطع نہ ہوجائے، چنانچہ اس صورتِ حال کے پیش نظر ایک نئے تعلیمی نظام کی بنیاد رکھی گئی۔

اس عظیم دینی تحریک میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مرکزی ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ اگرچہ دارالعلوم دیوبند کے عملی قیام میں بانی کی حیثیت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے، تاہم اس کے استحکام، بقا اور فکری سمت کے تعین میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار نہایت بنیادی اور فیصلہ کن تھا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی نمایاں خدمات میں سب سے اہم خدمت دورۂ حدیث کی باقاعدہ ترتیب ہے، جس کے تحت صحاحِ ستہ کو ایک سال میں مکمل پڑھایا جاتا تھا۔ اس سے قبل اس انداز سے حدیث کی جامع تدریس کا کوئی منظم طریقہ رائج نہ تھا۔ آپ کی اس ترتیب نے بعد میں پورے برصغیر کے دینی مدارس کے نصاب میں ایک مستقل مقام حاصل کرلیا اور آج تک یہی طریقہ جاری ہے۔

اسی طرح آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے والے طلبہ کی تکمیلی علمی و روحانی تربیت کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ طلبہ رسمی تعلیم مکمل کرنے کے بعد گنگوہ حاضر ہوتے، جہاں وہ حضرت کی صحبت میں رہ کر اپنے علم کو پختہ کرتے اور روحانی تربیت حاصل کرتے۔ اس طرح دیوبند میں علمی تشکیل اور گنگوہ میں روحانی و عملی تکمیل کا ایک مربوط نظام قائم ہوگیا تھا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تعلیمی نظام کی نگرانی، رہنمائی اور اصلاح میں بھی کلیدی کردار ادا کرتے تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ اس تحریک کے مرکزی رہنما بن کر سامنے آئے اور نصاب، نظم و نسق اور پالیسی سازی میں فعال کردار ادا کیا۔ مشکل حالات میں دارالعلوم کی راہنمائی کرنا اور اس کی فکری سمت کو درست رکھنا آپ کی نمایاں خصوصیات میں شامل تھا۔

یوں دارالعلوم دیوبند کا قیام صرف ایک تعلیمی ادارے کا قیام نہیں تھا بلکہ ایک ہمہ گیر دینی و فکری تحریک کا آغاز تھا، جس کی سرپرستی اور آبیاری میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار نہایت بنیادی، موثر اور تاریخ ساز حیثیت رکھتا ہے۔

مجموعی علمی مقام اور اثرات:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت علم، عمل، جہاد، تدریس اور روحانیت کا ایک جامع امتزاج تھی۔ آپ نے ایک ایسے دور میں دینی علوم کی حفاظت کی جب علمی و دینی ڈھانچہ شدید بحران کا شکار تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ ایک مضبوط تعلیمی و فکری نظام کی بنیاد بھی رکھی جس کے اثرات آج تک برصغیر کی دینی دنیا میں نمایاں ہیں۔

آپ کی بصیرت کا ایک روشن پہلو اُس وقت سامنے آتا ہے جب حیدر آباد دکن کے حکمرانوں نے دارالعلوم کے اخراجات اٹھانے اور طلبہ کو ملازمت دینے کی پیشکش کی۔ بظاہر یہ ایک نہایت پرکشش تجویز تھی، مگر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مسترد کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ مدارس کا مقصد حکومت کے لیے ملازمین تیار کرنا نہیں بلکہ دین کی خدمت، مساجد کی آبادی اور امت کی رہنمائی ہے۔ یہ فیصلہ بعد کے زمانوں میں دینی تشخص کے تحفظ کا ایک مضبوط ذریعہ ثابت ہوا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علمی، فقہی اور روحانی اعتبار سے نہایت بلند مقام کے حامل تھے۔ برصغیر میں آپ کو ''فقیہ اعظم'' اور افتا کے امام کی حیثیت حاصل ہے۔ جب کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو علم کلام اور فکری دفاع کا قائد اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو روحانیت کا پیشوا تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان تینوں بزرگوں کی مشترکہ جدوجہد ہی دراصل مکتبِ دیوبند کی فکری و عملی بنیاد ہے۔

غرضیکہ آپ کے عملی و روحانی کمالات کا مکمل احاطہ ممکن نہیں، تاہم اتنا کہنا بجا ہے کہ آپ کی صحبت اور تربیت نے ایسے رجالِ علم و عمل پیدا کیے جو برصغیر کی علمی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا عبدالرحیم رائپوری اور مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابر شامل ہیں، جو واقعی فلکِ ہند کے درخشاں ستارے بن کر ابھرے۔

آپ کے علمی و روحانی مقام کے اعتراف میں آپ کے شیخ و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا خراجِ عقیدت ہی کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''جو آدمی اس فقیر امداد اللہ سے محبت و عقیدت و ارادت رکھتا ہے، وہ مولوی رشید احمد سلمہ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کو، جو تمام کمالاتِ علومِ ظاہری و باطنی کے جامع ہیں، بجائے میرے بلکہ مجھ سے بھی بڑھ کر شمار کرے۔ اگر معاملہ برعکس ہوتا — وہ بجائے میرے اور میں بجائے ان کے ہوتا — تو ان کی صحبت کو غنیمت جاننا چاہیے کہ ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں۔'' (ضیاء القلوب)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے علم و تحقیق کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کی معروف تصانیف میں فتاویٰ رشیدیہ، الکوکب الدری، تفسیر رشیدی، زبدۃ المناسک، تصفیۃ القلوب، امداد السلوک، براہین قاطعہ اور لطائف رشیدیہ شامل ہیں۔ یہ کتب آج بھی علمی دنیا میں اہم مقام رکھتی ہیں اور مختلف دینی مباحث میں مرجع کی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہیں۔

وفات:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے 9 جمادی الثانی 1323ھ مطابق 11 اگست 1905ء کو تقریباً 76 سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کے ساتھ ایک عظیم علمی و روحانی عہد کا اختتام ہوا، تاہم آپ کا علمی فیض، قائم کردہ نظام اور فکری وراثت آج بھی زندہ ہے اور دنیا بھر کے اہلِ علم کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ یوں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ محض ایک فرد کی سوانح نہیں، بلکہ ایک پورے عہد کی فکری، تعلیمی اور روحانی تاریخ ہے، جو آج بھی امت کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

آئے عُشاق، گئے وعدہٗ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

اک اک پل کا حساب ہوگا

سوال ہوگا، جواب ہوگا
اک اک پل کا حساب ہوگا
گم گشتیوں میں جو گزار دیئے تھے
ان حسرتوں کا انبار ہوگا

وہ جو آنسو بہہ نہ پائے
وہ جو لفظوں میں ڈھل نہ پائے
غفلتوں میں جو گزرے لمحے
اِک اِک لمحے کا حساب ہوگا

دل نے چاہا، مانا کم تھا
قرآن پڑھا، سمجھا کم تھا
جو پڑھا، سنا، سیکھا ہم نے
اس پر ہی تو سوال ہوگا

قرآن سمجھا، پر ہم نہ سمجھے
قرآن ملا، پر ہم نہ بدلے
جو کہتے ہیں کہ دین سمجھا
ان کا ہی تو حساب ہوگا

جس دن رب کا سامنا ہوگا
دل کتنا شرمسار ہوگا
ہاتھ میں میرے قرآن ہوگا
شکایتوں کا انبار ہوگا

سوال ہوگا، جواب ہوگا
اک اک پل کا حساب ہوگا

قرآن مجھ سے ناراض ہوگا
جسم مجھ سے بیزار ہوگا
نفس میرا پامال ہوگا
حسرتوں کا پہاڑ ہوگا

سوال ہوگا، جواب ہوگا
اک اک پل کا حساب ہوگا

وقت ہے اب بھی، سمیٹ لو تم
وقت پر ہی عذاب ہوگا
سوال ہوگا، جواب ہوگا
اک اک پل کا حساب ہوگا

کیا آخری سال گنوا رہے ہیں؟
کیا خالی ہاتھ جا رہے ہیں؟
ہر اک نفس کا احتساب ہوگا
سوال ہوگا تو ہی جواب ہوگا

اب تو رب سے اتنی سی التجا ہے
حساب سے پہلے دل بدل دے
تُوں خود میں مجھ کو ضم کر دے
قرآن کے رنگ میں مجھ کو رنگ دے

سوال ہوگا، جواب ہوگا
اک اک پل کا حساب ہوگا

بنت عبدالمجید
طالبہ رجوع الی القرآن کورس سال دوم

عید الاضحیٰ : اسوۂ ابراہیمی علیہ السلام اور فلسفۂ قربانی

حافظ حذیفہ محمود

فاضل جامعہ الصفہ و استاذ قرآن اکیڈمی یاسین آباد

قرآن مجید حیاتِ انسانی کو ایک امتحان اور آزمائش قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ دیکھے کہ ہم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے[1]۔ ہر انسان سے لیا جانے والا یہ امتحان فکری، عقلی اور عملی سطح پر ہوتا ہے، جہاں انسان کو اللہ کی معرفت، توحید کی دعوت اور اللہ کی راہ میں ہر محبوب چیز قربان کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اس فلسفے کی سب سے کامل اور روشن مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ ہے، بلاشبہ اسلامی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ہیں جن کی زندگی محض ایک واقعہ یا ایک دور تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک کے انسانیت کے لیے نمونہ اور معیار بن جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انہی عظیم ہستیوں میں سے ہیں جنہیں قرآن مجید نے ''امام الناس'' اور ''خلیل اللہ'' کے بلند ترین القابات سے نوازا[2]۔ عید الاضحیٰ دراصل اسی عظیم اسوۂ ابراہیمی کی یادگار اور اس فلسفے کی زندہ علامت ہے، جو محض ایک رسم نہیں بلکہ ایک دینی شعار ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات :

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا امتحان فکر و نظر کا تھا۔ انہوں نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جہاں ہر قسم کا شرک موجود تھا، ستارہ پرستی، بت پرستی کی صورت میں مذہبی شرک جبکہ نمرود کی حاکمیت کی صورت میں سیاسی شرک اپنے پنجے جمائے ہوئے تھا۔ ان کی فطرتِ سلیم اور عقلِ سلیم انہیں توحید کی طرف لے گئی۔ انہوں نے والد آزر اور قوم سے واضح الفاظ میں کہا : ''کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟'' یہ آپ علیہ السلام کی ان سے فکری بغاوت تھی جو انہیں تنہا کر گئی۔ قرآن سورۃ الانعام میں ان کا یہ سفرِ عقلی بیان کرتا ہے جہاں وہ ستاروں، چاند اور سورج کو دیکھ کر اعلان کرتے ہیں کہ ''میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف پھیر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا[3]۔'' یہ امتحانِ فکر میں کامیابی تھی۔

اس کے بعد قوتِ ارادی اور عملی امتحانات شروع ہوئے۔ والد سے لے کر قوم تک، بتوں کو توڑنے سے لے کر نمرود جیسے ظالم حاکم کے دربار میں مباحثہ تک، ہر مرحلے پر انہوں نے اللہ کی توحید پر ڈٹے رہنے کا ثبوت دیا۔ بت خانے میں سب سے بڑے بت کو چھوڑ کر باقی سب کو توڑنا، پھر عوام کے سامنے حجت پیش کرنا، اور آخر میں نمرود سے سورج کے مشرق سے نکلنے والے حجت کا پیش کرنا، یہ سب ارادی قوت اور سیرت کی مضبوطی کے امتحانات تھے[4]۔ جب نمرود نے انہیں آگ میں ڈالنے کا حکم دیا تو انہوں نے بے خوف ہو کر کہا : ''میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔'' چنانچہ آگ ان کے لیے گل و گلزار بن گئی۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

پھر بحکمِ خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وطن چھوڑ کر ہجرت الی اللہ کی[5]۔ آپ علیہ السلام کی زندگی مسلسل سفر و مہاجرت کی داستان بن گئی۔ اللہ نے انہیں بڑھاپے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا صالح بیٹا عطا فرمایا[6]۔ چنانچہ اب امتحان کا نقطۂ عروج کو جا پہنچا! سورۃ الصافات میں تفصیل سے بیان ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام دوڑنے پھرنے کے قابل ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب کا ذکر کیا : ''میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ

---

1 (الملک: 2)
2 (البقرہ: 124)
3 (الانعام: 79)
4 (الانبیاء: 67 - 52)
5 (الصافات: 99)
6 (الصافات: 100)

میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تو تیری اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' بیٹے نے فوراً جواب دیا: ''ابا جان! جو حکم دیا گیا ہے اسے پورا کیجیے، ان شاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے[7]۔'' بقول اقبال:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

یوں دونوں نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ یہ اسلام کی اصل روح تھی یعنی کامل تسلیم و انقیاد۔ اللہ نے اس امتحان کو الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ (عظیم آزمائش) قرار دیا اور ایک عظیم قربانی سے فدیہ دے کر بیٹے کو بچا لیا۔ یہ قربانی نوع انسانی کی تاریخ کی عظیم علامت بن گئی۔

عید الاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی:

آج عید الاضحیٰ میں دو ارب سے زائد مسلمان قربانی کر کے اسی عظیم واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''قربانی تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے[8]''۔ قربانی محض جانور ذبح کرنا نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لیے اپنی سب سے محبوب چیز (چاہے وہ اولاد ہو، مال ہو، وقت ہو یا آرام) قربان کرنے کا عزم اور تیاری ہے۔ یہ تسلیم و فرمانبرداری کا مظہر ہے کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[9]

ترجمہ: ''میری نماز، قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالی کے لیے ہے جو تمام جہان والوں کا رب ہے۔''

محترم قارئین! ہر سال عید الاضحیٰ ہمیں یاد دلاتی ہے کہ حقیقی خوشی اللہ تعالی کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہے، نہ کہ محض دنیاوی لذتوں میں۔ عید الاضحیٰ محض ایک تہوار نہیں بلکہ ایک عملی تربیت ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتی ہے کہ اللہ کی محبت ہر چیز سے بڑھ کر ہونی چاہیے، قربانی کے بغیر کامیابی ممکن نہیں، اور جو اللہ کے لیے چھوڑتا ہے، اللہ اسے اس سے بہتر عطا کرتا ہے۔ یہ دن ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنے اندر جھانکیں اور دیکھیں کہ ہم کس چیز کے غلام ہیں، اپنے نفس کے یا اللہ کے؟ اگر ہم واقعی اسوۂ ابراہیمی کو اپنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی زندگی کو اللہ کی اطاعت کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ ہمیں سکھاتا ہے کہ زندگی اللہ کی راہ میں امتحانات کا سلسلہ ہے۔ ایک نوجوان کے لیے یہ اسوہ بہت اہم ہے۔ آج کا نوجوان مادیت، شہوات، سوشل میڈیا کی کشش اور دنیاوی لالچوں سے گھرا ہوا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اگر وہ فکر و نظر کو صاف رکھے، توحید پر ڈٹا رہے، والدین، معاشرے اور ہر طاقتور کے سامنے بھی حق کا اعلان کرے، اور سب سے بڑھ کر اللہ کے حکم پر اپنی پسند کو قربان کرنے کا عزم رکھے تو وہ بھی کامیاب ہو سکتا ہے۔ آج کے نوجوان کے لیے ''قربانی'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو اللہ کے حکم کے تابع کرے، حرام سے بچنے کے لیے اپنے نفس کو روکے، دین کے لیے وقت، مال اور صلاحیتیں صرف کرے، اور حق کے راستے میں آنے والی مشکلات کو صبر کے ساتھ برداشت کرے۔

ہمیں روزانہ کی زندگی میں چھوٹی موٹی قربانیوں کے لیے ہر دم تیار رہنا چاہیے۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر حرام سے بچنے، نماز قائم کرنے، کامل اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں جان و مال کا نذرانہ پیش کرنے سے کبھی پیچھے نہ ہٹنا چاہیے! اور جب بڑا امتحان آئے، مثلاً کیریئر، شادی، دولت یا شہادت، تو ہم بھی اسماعیل علیہ السلام کی طرح کہہ سکیں: ''جو حکم ہے، پورا کیجیے، میں صابر ہوں۔''

فلسفۂ قربانی ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ کو نہ تو گوشت پہنچتا ہے نہ خون، بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے۔ قربانی دل کی پاکیزگی، اللہ پر بھروسا اور اطاعت کی علامت ہے۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر جانور ذبح کرتے ہوئے ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ کیا ہم اپنے اندر کا ''بڑا بت'' (نفسِ امارہ، ہوس، غرور، باطل کی اطاعت اور دنیاوی لذات) بھی توڑ رہے ہیں؟ کیا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح امامت کے لائق بن رہے ہیں؟ آج کے دور میں جب مسلمان امتحانات سے دوچار ہیں، اسوۂ ابراہیمی ہی ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس روح کو اپنانے کی توفیق دے کہ ہم نہ صرف زبان سے بلکہ عمل سے کہہ سکیں: ''میری زندگی اور موت اللہ کے لیے ہے۔''

اللہ کرے کہ آنے والی عید الاضحیٰ اور قربانی ہمارے اندر حقیقی تبدیلی اور قربانی کے جذبے کو بیدار کرنے کا ذریعہ بنے۔ آمین

7 (الصافات: 111 - 110)
8 (مسند احمد: 368/3، سنن ابن ماجہ: کتاب الاضاحی)
9 (الانعام: 162)

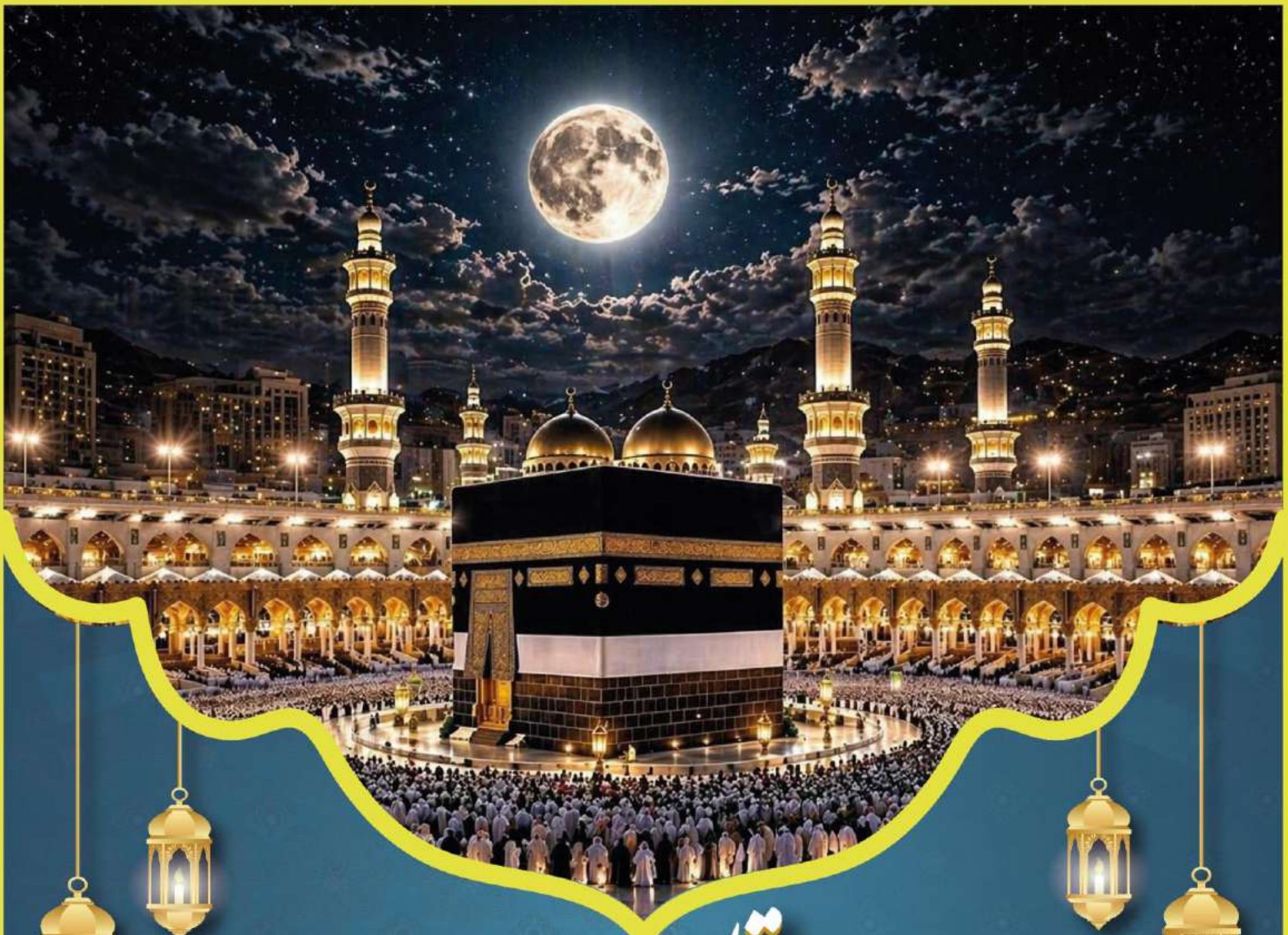

تلبیہ

لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک

إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو مسلمان بھی تلبیہ پکارتا ہے اس کے دائیں یا بائیں پائے جانے والے پتھر، درخت اور ڈھیلے سبھی تلبیہ پکارتے ہیں، یہاں تک کہ دونوں طرف کی زمین کے آخری سرے تک کی چیزیں سبھی تلبیہ پکارتی ہیں“۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: 828)

بچوں کی خاموش سسکیاں
اور ہماری مادی دوڑ

احمد حمدی

استاذ قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

کبھی فرصت ملے تو اپنے گھر کے کسی کونے میں بیٹھ کر ذرا اس منظر پر غور کیجیے: ایک ڈرائنگ روم ہے جہاں والدین اور بچے موجود تو ہیں، لیکن ہر کوئی اپنی اپنی سکرین میں گم ہے۔ کمرہ مہنگے کھلونوں، گیجٹس اور آسائشوں سے بھرا ہے، مگر اس میں وہ گرم جوشی اور قہقہے غائب ہیں جو کبھی کچے مکانوں کا طرہ امتیاز ہوا کرتے تھے۔ آج کا جدید دور ہمیں یہ تو سکھا رہا ہے کہ بچوں کو بہترین اسکول میں کیسے پڑھانا ہے اور انہیں برانڈڈ کپڑے کیسے پہنانے ہیں، لیکن یہ مادی دوڑ ہم سے وہ بنیادی شعور چھین رہی ہے کہ ایک ننھے ذہن اور حساس دل کو پروان چڑھنے کے لیے کن غیر مادی اور جذباتی غذاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔

معروف ماہرِ تعلیم سلمان آصف صدیقی اکثر ایک انتہائی کڑوی مگر سچی حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ آج کے گھروں میں والدین اور بچے ایک ہی چھت کے نیچے ''متوازی زندگیاں'' (Parallel Lives) گزار رہے ہیں۔ ہماری مادی مصروفیات نے ہم سے وہ وقت چھین لیا ہے جب مائیں بچوں کو اپنے ہاتھ سے نوالے کھلاتی تھیں اور باپ ان کے ساتھ بے تکلفی سے کھیلا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج کا بچہ جسمانی طور پر تو صحت مند ہے، لیکن جذباتی طور پر شدید عدم تحفظ، چڑچڑے پن اور تنہائی کا شکار ہے۔

یہ محض ایک جذباتی دعویٰ نہیں ہے، بلکہ اسلام کا دینِ فطرت ہونا اور آج کی جدید ترین سائنسی تحقیقات، دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اگر بچپن میں بچے کی جذباتی ضروریات (محبت، تکریم، لمس اور اعتماد) پوری نہ ہوں، تو وہ زندگی بھر کے لیے ایک نفسیاتی معذور بن کر رہ جاتا ہے۔

امانت کا بوجھ اور ملکیت کا زعم:

ہماری تربیت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم نے بچوں کو اپنی ''ذاتی ملکیت'' سمجھ لیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ بچہ ہمارے ادھورے خواب پورے کرے، ہماری مرضی کے مطابق سوچے اور ہماری خواہشات کے سانچے میں ڈھل جائے۔ حالانکہ اسلامی نقطہ نظر اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ بچہ اللہ کی عطا کردہ ایک مقدس امانت ہے۔ جب کوئی انسان بچے کو اپنی ملکیت کے بجائے ایک ربانی امانت سمجھتا ہے، تو اس کے رویے میں جبر اور آمریت کی جگہ احساسِ ذمہ داری، خوفِ خدا اور بے پناہ شفقت آجاتی ہے۔

عزتِ نفس: جو نمبروں کی محتاج نہیں

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ہم بچوں کی عزت کس بنیاد پر کرتے ہیں؟ عصری نظامِ تعلیم نے بچے کی تکریم کو اس کے تعلیمی گریڈز (Grades) کے ساتھ نتھی کر دیا ہے۔ اگر بچہ فرسٹ آتا ہے تو وہ لائق احترام ہے، اور اگر وہ پڑھائی میں کمزور ہے تو اسے مہمانوں کے سامنے بھی طنز اور تذلیل کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ سلمان آصف صدیقی اس رویے کو بچے کی فطرت کا قتل قرار دیتے ہیں۔

اس کے برعکس قرآنِ حکیم ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں دیکھیے۔ وہ اسے کائنات کی سب سے بڑی حقیقت (توحید) اور سب سے بڑے گناہ (شرک) کے بارے میں بتانے جا رہے ہیں، لیکن اس بھاری گفتگو کا آغاز کس لفظ سے کرتے ہیں؟ يٰبُنَيَّ (اے

میرے پیارے بیٹے)۔ یہ محض ایک لفظ نہیں، بلکہ نفسیات کا ایک سمندر ہے۔ وہ پہلے بچے کو اپنی محبت، قربت اور اپنائیت کا احساس دلاتے ہیں، اس کی عزتِ نفس کو تسکین دیتے ہیں، اور پھر اسے نصیحت کرتے ہیں۔

ہمیں سیرتِ طیبہ ﷺ میں عزتِ نفس کی اس سے بھی شاندار اور حیران کن مثال ملتی ہے۔ ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ مشروب نوش فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی دائیں جانب ایک کم سن بچہ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) بیٹھا ہے اور بائیں جانب قبیلے کے بڑے بوڑھے۔ دنیا کا کوئی بھی عام انسان ہوتا تو وہ پیالہ چپ چاپ بڑوں کو پکڑا دیتا، مگر قربان جائیے اس نبیِ رحمت ﷺ پر، جو اس ننھے بچے سے پوچھتے ہیں: ''کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ میں یہ مشروب ان بڑوں کو دے دوں؟'' اور جب بچہ اپنے حق سے دستبردار ہونے سے انکار کرتا ہے، تو آپ ﷺ مسکرا کر وہ پیالہ اسی کے ننھے ہاتھوں میں تھما دیتے ہیں۔ یہ ہے وہ غیر مشروط عزتِ نفس جو اسلام ایک بچے کو دیتا ہے، جس میں اس کی رائے کا احترام بھی شامل ہے۔

محبت کا ہارمون اور نبوی شفقت:

ہم اکثر بچوں کو دور سے پیار کرتے ہیں، یا ان کے ماتھے پر بوسہ دے کر اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ لیکن جدید معاشرے میں بچے والدین کی اس گرم جوشی اور ''جسمانی لمس'' (Physical Touch) کو ترس گئے ہیں جو انہیں اندر سے مضبوط کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کیا۔ پاس ہی اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ انہیں یہ منظر عجیب لگا، کہنے لگے: ''میرے دس بچے ہیں، میں نے تو آج تک کبھی کسی کو نہیں چوما۔'' اس پر رحمتِ عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور ایک ایسی بات کہی جو آج بھی انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہے: مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ (جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا)۔

آج چودہ سو سال بعد، جب نیوروسائنس (Neuroscience) کے ماہرین انسانی دماغ کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں۔ جدید سائنس بتاتی ہے کہ جب کوئی ماں یا باپ اپنے بچے کو پورے جوش سے گلے لگاتا ہے، تو بچے کے دماغ میں ایک خاص ہارمون 'آکسیٹوسن' (Oxytocin) خارج ہوتا ہے۔ اسے میڈیکل سائنس میں 'محبت کا ہارمون' کہا جاتا ہے۔ یہ ہارمون بچے کے جسم سے تناؤ اور خوف کو ختم کر دیتا ہے اور اس کے اندر ایک گہرا احساسِ تحفظ پیدا کرتا ہے۔ جو بات آج لیبارٹریوں میں ثابت ہو رہی ہے، مدینے کے تاجدار ﷺ نے صدیوں پہلے اسے اپنے عمل سے ثابت کر دیا تھا۔

اعتماد کی طاقت اور تنقید کا زہر:

ہمیں لگتا ہے کہ اگر ہم بچے کی ہر غلطی پر اسے ٹوکیں گے نہیں، تو وہ بگڑ جائے گا۔ ہر وقت کی تنقید اور مائیکرو مینجمنٹ نے بچوں سے ان کا اعتماد چھین لیا ہے۔ ذرا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس گواہی پر غور کیجیے جو انہوں نے اپنی دس سالہ رفاقت کے بعد دی۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان دس سالوں میں کبھی مجھے جھڑک کر ''اُف'' تک نہیں کہا، اور نہ ہی کبھی میرے کسی کیے ہوئے کام پر یہ پوچھا کہ ''تم نے یہ کیوں کیا؟''

یہ اندھا اعتماد نہیں تھا، بلکہ یہ وہ نفسیاتی حکمتِ عملی تھی جسے آج کی دنیا 'نظریۂ وابستگی' (Attachment Theory) کے نام سے جانتی ہے۔ مشہور برطانوی ماہرِ نفسیات جان باؤلبی (John Bowlby) نے برسوں کی تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا کہ بچپن میں جن بچوں کو اپنے والدین کا محفوظ جذباتی سہارا (Secure Base) ملتا ہے اور جن پر بلاوجہ تنقید نہیں کی جاتی، وہ بڑے ہو کر زیادہ پُراعتماد، خود مختار اور کامیاب انسان بنتے ہیں۔

مسلم اسلاف کی دور اندیشی:

یہاں ہمیں اپنے شاندار فکری ورثے کو بھی نہیں بھولنا چاہیے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی اور عظیم مؤرخ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہما نے بچوں کی نفسیات پر جو کچھ لکھا، وہ آج کے جدید تعلیمی اداروں کے لیے چشم کشا ہے۔ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اپنے 'مقدمہ' میں واضح طور پر خبردار کرتے ہیں کہ ''تعلیم و تربیت میں حد سے زیادہ سختی طالب علم کی شخصیت کو تباہ کر دیتی ہے۔'' ان کا ماننا تھا کہ جب آپ بچے پر ہر وقت رعب اور خوف مسلط رکھتے ہیں، تو وہ مار اور

سزا سے بچنے کے لیے جھوٹ بولنا اور مکروفریب کرنا سیکھ جاتا ہے۔ اس کی فطری صلاحیتیں دم توڑ دیتی ہیں اور وہ ایک منافق انسان بن جاتا ہے۔ کیا آج کے اسکولوں اور گھروں میں ایسا نہیں ہو رہا؟ ہم نے بچوں کو نظم وضبط سکھانے کے نام پر خوفزدہ کر دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہمارے سامنے تو مؤدب رہتے ہیں، لیکن تنہائی میں ان کی شخصیت کے بھیانک پہلو سامنے آتے ہیں۔

مادی دوڑ کے سراب اور ہارورڈ کی تحقیق :

مغربی پیرنٹنگ کے کچھ رجحانات نے بھی تباہی پھیلا رکھی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شاید بچے کی ہر بات پر غیر ضروری تعریف (Praising) کرنا اور اسے انعام کا لالچ دینا بہت اچھی بات ہے۔ مگر ماہرین بتاتے ہیں کہ یہ رویہ بچے کو نرگسیت (Narcissism) کا شکار بنا رہا ہے۔ وہ ہر اچھے کام کے بدلے کسی مادی انعام کا منتظر رہتا ہے۔

اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ انسان کو حقیقی خوشی اور سکون کیا چیز دیتی ہے، تو ہارورڈ یونیورسٹی کی اس طویل ترین سائنسی تحقیق (Harvard Study of Adult Development) کو دیکھ لیجیے، جو 80 سال سے زائد عرصے تک انسانوں کی مختلف نسلوں پر کی گئی۔ اس تحقیق کا حتمی نتیجہ یہ تھا کہ انسان کی خوشی، صحت اور کامیابی کا راز بینک بیلنس، بڑی گاڑیوں یا تعلیمی ڈگریوں میں نہیں، بلکہ ''مضبوط اور محبت بھرے خاندانی اور انسانی رشتوں'' میں پوشیدہ ہے۔

لمحہ فکریہ :

ہمیں ایک لمحے کے لیے رک کر خود سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ کیا ہم اپنے بچوں کو واقعی وقت دے رہے ہیں؟ مہنگے تحفے، بڑے اسکول اور سمارٹ فونز ہماری غیر موجودگی کا متبادل نہیں ہوسکتے۔ بچوں کو آپ کے بٹوے سے زیادہ آپ کی آنکھوں کی توجہ، آپ کی شفقت بھری مسکراہٹ اور آپ کے مضبوط بازوؤں کے حصار کی ضرورت ہے۔

آئیے، آج سے ایک عہد کریں۔ اپنی سکرینوں کو کچھ دیر کے لیے بند کریں، اپنے بچوں کو قریب بٹھائیں، ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کی کہانیاں سنیں، ان کی تکریم کریں اور انہیں بتائیں کہ وہ آپ کے لیے کتنے اہم ہیں۔ یقین جانیے، یہی وہ سرمایہ ہے جو کل آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا اور معاشرے کو ایک پرسکون اور باشعور نسل فراہم کرے گا۔

ماہانہ رپورٹ برائے آئینہ انجمن

قرآن اکیڈمی ڈیفنس

الحمدللہ مؤرخہ 5 اپریل 2026ء بروز اتوار رجوع الی القرآن کورس 2025-26 کی تقریب تقسیم اسناد کا انعقاد قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں ہوا۔ پروگرام میں امیر تنظیم اسلامی و نگران انجمن شجاع الدین شیخ صاحب، نائب ناظم اعلیٰ زون جنوبی 1 و صدر انجمن انجینئر نعمان اختر صاحب، نائب ناظم اعلیٰ زون جنوبی 2 عارف جمال فیاضی صاحب، مدیر تعلیم و امیر حلقہ کراچی شرقی ڈاکٹر انوار علی صاحب، مرکزی ناظم بیت المال تنظیم اسلامی و نائب صدر انجمن جناب فیصل منصوری صاحب، امیر حلقہ کراچی شمالی محمد سلمان صاحب، امیر حلقہ کراچی جنوبی عابد خان صاحب اور امیر حلقہ حیدر آباد و سکھر امجد ندیم چنہ صاحب بطور مہمانان خصوصی شریک تھے جب کہ اسٹیج سیکریٹری کی ذمہ داری جناب سلیم الدین صاحب (مدیر قرآن اکیڈمی یسین آباد) نے انجام دی۔

مدیر تعلیم جناب ڈاکٹر انوار علی صاحب نے انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی اور رجوع الی القرآن کورس کا تعارف شرکا کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد کورس میں شرکت کرنے والے طلبہ کے تاثرات شرکا کے سامنے پیش کیے گئے۔

نگران انجمن و امیر تنظیم اسلامی جناب شجاع الدین شیخ صاحب نے خصوصی خطاب میں رجوع الی القرآن کورس کی اہمیت کو واضح فرمایا اور تکمیل کرنے والوں کو قیمتی نصائح سے نوازا۔

مؤرخہ 6 اپریل 2026ء سے رجوع الی القرآن کورس کے 33 ویں بیچ کا آغاز ہوا۔ جس میں ابتداءً 35 حضرات اور 25 خواتین جب کہ آن لائن شرکت کرنے والوں کی تعداد 70 ہے۔ کورس کے ابتدائی دن جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب نے شرکا کے سامنے کورس کا تعارف اور ابتدائی ہدایات رکھیں بعدازاں اسی دن ''دین اسلام کا جامع تصور'' کے موضوع پر بھی گفتگو فرمائی۔

رواں ماہ خصوصی محاضرات کے ذیل میں ''دین اسلام کا جامع تصور'' اور ''تنظیم الاوقات'' (استاذ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب)، ''دینی فرائض کا جامع تصور'' (استاذ محمد سہیل راؤ صاحب)، ''فضیلت علم'' (استاذ انجینئر نعمان اختر صاحب) اور ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' (استاذ سرفراز احمد صاحب) لیکچرز منعقد ہوئے۔

گزشتہ سالوں کی طرح اِس سال بھی ان شاء اللہ مؤرخہ 2 مئی 2026ء سے ہفتہ وار دراساتِ دینیہ کورس (سال اول و دوم) برائے حضرات و خواتین کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ کلاسز کا انعقاد ہر ہفتے صبح 8:30 تا دوپہر 1:00 بجے ہوگا۔

مؤرخہ 12 اپریل 2026ء بروز اتوار بعد نماز ظہر حج تربیتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ اِس نشست میں جناب ذیشان طاہر صاحب (امیر تنظیم اسلامی قرآن اکیڈمی) نے شرکا کے سامنے حج و عمرہ کے احکام و فضائل اور عملی طریقہ کار بیان فرمایا۔ اس نشست میں تقریباً 150 حضرات اور 70 خواتین نے شرکت کی۔ خواتین کے لیے باپردہ شرکت کا اہتمام کیا گیا تھا۔

ان شاء مؤرخہ 8 مئی 2026 بروز جمعہ یوتھ میٹ اپ کا پروگرام منعقد کیا جائے گا۔ اِس پروگرام میں امیر تنظیم اسلامی جناب شجاع الدین شیخ صاحب

کے ساتھ سوال وجواب کی نشست کا انعقاد کیا جائے گا۔
مدرسے کے تمام کُل وجزوقتی شعبہ جات (حفظ، قاعدہ، ناظرہ) میں معمول کے مطابق کلاسز کا انعقاد جاری ہے۔
سہ پہر کے اوقات میں منعقد کی جانے والی کلاسز برائے قاعدہ و ناظرہ (مکتب) کے اساتذہ و معلمات کے لیے دو ہفتوں پر محیط تربیتی نشستوں کا انعقاد کیا گیا جو ہفتے میں پانچ دن شام 4:30 تا 5:00 بجے منعقد ہوئیں۔ مربی کی ذمہ داری جناب مولانا رضوان صاحب نے انجام دی۔
دوران ماہ مسجد میں پہلا جمعہ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب، دوسرا اور چوتھا جمعہ شجاع الدین شیخ صاحب جب کہ تیسرا جمعہ محمد سہیل راؤ صاحب نے خطبہ ارشاد فرمایا۔
دوران ماہ مسجد میں پانچ نکاح کی تقریبات منعقد ہوئیں۔

قرآن اکیڈمی یٰسین آباد

رجوع الی القرآن کورس 27-2026 (سال اول سیکشن اے) میں 66 حضرات اور 112 خواتین، رجوع الی القرآن کورس (سال اول سیکشن بی) میں 42 حضرات اور رجوع الی القرآن کورس (سال دوم) میں 23 حضرات اور 20 خواتین شرکت کر رہے ہیں۔
رجوع الی القرآن کورس (سال اول سیکشن اے) کے تحت ''اہمیت و فضیلت علم (خصوصی محاضرہ)'' (استاذ انجینئر نعمان اختر صاحب)، ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (فکر اسلامی)'' (استاذ محمد ارشد صاحب)، ''دینی فرائض کا جامع تصور (فکر اسلامی)'' اور ''دین کا ہمہ گیر تصور'' (استاذ سید سلیم الدین صاحب)، جب کہ (سال اول سیکشن بی) میں ''اہمیت و فضیلت علم (خصوصی محاضرہ)'' (استاذ انجینئر نعمان اختر صاحب)، ''مسلمانوں پر قرآنی مجید کے حقوق (فکر اسلامی)''، ''دینی فرائض کا جامع تصور (فکر اسلامی)'' اور ''دین کا ہمہ گیر تصور (فکر اسلامی)'' (استاذ محمد ارشد صاحب) کے موضوعات پر لیکچر ز منعقد ہوئے۔
حلقات و دورات دینیہ کے تحت اس وقت ''دورۂ ترجمہ قرآن (بعد نماز عشاء)''، ''مختصر درس حدیث (اہل محلہ / نمازی حضرات بعد نماز عصر)'' اور ''حج تربیتی نشست'' جاری ہے، جس میں اوسط تعداد 305 کے قریب ہوتی ہے۔
مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ میں درجہ حفظ کے تحت 96 طلبہ اور درجہ قاعدہ کے تحت 18 طلبہ جب کہ درجہ ناظرہ میں 16 طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ جب کہ مدرسۃ البنین والبنات (سہ پہر 2:30 تا 4:30) کے تحت درجہ قاعدہ میں 145 اور درجہ ناظرہ کے تحت 103 طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ علاوہ ازیں مغرب تا عشاء حلقہ میں مقیم طلبہ کرام اور اہل محلہ و گردو نواح کے حضرات کے لیے ناظرہ قرآن کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔
شعبہ دعوت و تبلیغ کے تحت رواں ماہ پہلا جمعہ، ''موت سے بیداری اور آخرت کی تیاری (سورۃ ق کی روشنی میں)'' (محترم سید سلیم الدین صاحب) جب کہ دوسرا جمعہ، ''عرش الٰہی کے سائے تلے 5 خوش نصیب''، تیسرا جمعہ ''حب دنیا کی شناعت'' اور چوتھا جمعہ ''تقویٰ، مفہوم، برکات و تقاضے'' (محترم محمد ارشد صاحب) نے خطبہ ارشاد فرمایا۔
مسجد میں نو نکاح کی تقریبات منعقد ہوئیں۔
شعبہ تصنیف و تالیف کے تحت ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کے منتخب نصاب (تفصیلی ویڈیوز) حصہ چہارم درس نمبر (17) بعنوان ''یہودیوں کی پوری تاریخ کے دوران اللہ کے جلیل القدر رسولوں کے خلاف ان کے باغیانہ طرز عمل سورۃ الصف کی روشنی میں'' حصہ چہارم و پنجم کی فورمیٹنگ، ترمیم و ترتیب اور تصحیح مکمل کی گئی۔ حصہ ششم پر کام جاری ہے۔ اسی طرح منتخب نصاب کے حصہ چہارم درس نمبر (18) بعنوان انقلاب نبوی ﷺ کا اساسی منہاج: ''افراد کی تیاری کا نبوی ﷺ طریقہ کار'' حصہ دوم کی فورمیٹنگ، ترمیم و ترتیب اور تصحیح مکمل کی گئی، جب کہ حصہ سوم پر کام جاری ہے۔
آئینہ انجمن ماہ اپریل کو تیار کیا گیا۔ آئینہ انجمن ماہِ اپریل شمارے کی مکمل نظر ثانی و تصحیح کی گئی۔ علاوہ ازیں آئینہ انجمن کے لیے ایک ڈیزائن بھی بنایا گیا۔
نیز ماہنامہ آئینہ انجمن کے لیے دو مضامین (ایک بعنوان ''رمضان کے بعد کا محاسبہ'' اور دوسرا ''احیائے دین کا معمار---مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ'' کے عنوان سے تفصیلی مضمون) تیار کیے گئے۔
ماہ مئی کے شمارے کے لیے ایک نظم ''اک اک پل کا حساب ہوگا'' کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی گئی۔

پیغام قرآن کے تحت سورۃ المنافقون، سورۃ التغابن کی کمپوزنگ مکمل ہو چکی ہے جب کہ سورۃ الطلاق کی کمپوزنگ جاری ہے۔

شعبہ سوشل میڈیا کے تحت درج ذیل امور انجام دیے گئے: ''تاثرات طلبہ رجوع الی القرآن کورس (8 طلبہ کے تاثرات)''، ''دعوتی ویڈیو برائے تقریب اسناد''، ''خطاب جمعہ کلپس: 87 کلپس''، ''ڈاکومنٹری انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی — مکمل''، ''پرومو- حج تربیتی نشست قرآن اکیڈمی یٰسین آباد''، ''جھلکیاں- تقریب تقسیم اسناد و دستار بندی- قرآن اکیڈمی یٰسین آباد'' اور ''کوریج: تقریب تقسیم اسناد رجوع الی القرآن کورس''۔

قرآن اکیڈمی کورنگی

رجوع الی القرآن کورس سال 27-2026 میں 24 حضرات اور 57 خواتین شریک ہیں۔ رواں ماہ خصوصی محاضرات کے ذیل میں ''علم کی فضیلت''، ''دین اسلام کا جامع تصور'' اور ''دینی فرائض کا جامع تصور اور مسلمان خواتین کے دینی فرائض'' (استاذ انجینئر نعمان اختر صاحب) کے موضوعات پر لیکچرز منعقد ہوئے۔

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ قرآن اکیڈمی کورنگی للبنین والبنات میں شعبہ بنین کے درجہ حفظ میں کل 48 جب کہ درجہ قاعدہ و ناظرہ میں 107 طلبہ اور شعبہ بنات میں 124 طالبات جب کہ بڑی عمر کی خواتین کی ناظرہ قرآن میں 62 خواتین زیرِ تعلیم ہیں۔

شعبہ حفظ کے ایک اور شعبہ بنین میں پانچ طلبہ کرام نے قرآن کی تکمیل کی سعادت حاصل کی۔

شعبہ بنات میں درجہ قاعدہ کی طالبات کے لیے ''نماز کی اہمیت و فضیلت'' اور ''صفائی کے آداب''، جب کہ درجہ ناظرہ کی طالبات کے لیے ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام'' اور ''صفائی کے آداب'' کے موضوعات پر خصوصی لیکچرز منعقد ہوئے۔

قرآن اکیڈمی کورنگی شعبہ خواتین کے تحت جاری امور خانہ داری و تربیتی کورس میں 12 طالبات شرکت کر رہی ہیں۔ نیز ان طالبات کے لیے ''رمضان کے بعد زندگی کیسے گزاریں'' کے موضوع پر ایک تربیتی لیکچر منعقد کیا گیا۔

دعوت و تبلیغ کے ضمن میں قرآن اکیڈمی کورنگی سے متصل جامع مسجد طیبہ میں دورانِ ماہ تنظیم اسلامی کے تحت سلسلہ وار دورہ ترجمہ قرآن میں سورۃ ھود کا بیان جاری ہے۔ مدرس کی ذمہ داری صدر انجمن خدام القرآن سندھ، جناب انجینئر نعمان اختر صاحب نے ادا فرماتے ہیں، جس میں اوسطاً 70 حضرات نے شرکت کی۔

دی ہوپ اسلامک اسکول

28 مارچ بروز ہفتہ کو اساتذہ/والدین میٹنگ کا انعقاد کیا گیا، جس میں سالانہ امتحانات کے نتائج فراہم کیے گئے۔

11 اپریل بروز ہفتہ اساتذہ کی میٹنگ درج ذیل شیڈول کے مطابق منعقد ہوئی: ''ترجمہ قرآن: دوسرا پارہ (پہلا رکوع)''۔ ''مطالعہ حدیث: معارف الحدیث (کتاب الاعتصام بالکتاب و سنت)''۔ ''مطالعہ کتب: قرآنِ حکیم اور ہماری ذمہ داریاں''۔ ''تعلیمی مذاکرہ: مطالعہ کو فروغ کیسے دیں؟/اسٹوڈنٹس کوالٹی کنٹرول سرکل''۔ ''خصوصی ڈسکشن: سابقہ تعلیمی سال کا جائزہ اور نئے تعلیمی سال کے اہداف''۔

قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

رجوع الی القرآن کورس سال (26-27) میں 135 طلبہ و طالبات شرکت کر رہے ہیں۔ دوران ماہ خصوصی محاضرات کے ذیل میں ''علم کی فضیلت'' (جناب ڈاکٹر انور علی ابرار صاحب)، ''دین کا ہمہ گیر تصور'' اور ''دینی فرائض کا جامع تصور'' (جناب محمد ارشد صاحب) اور ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ- کرنے کا اصل کام'' (جناب حذیفہ پراچہ صاحب) لیکچرز منعقد ہوئے۔

بعد از نماز فجر درس قرآن و حدیث (جناب ندیم گیلانی اور قاری غلام اکبر صاحبان)، بعد از نماز عصر درس حدیث (قاری غلام اکبر صاحب)، بعد از نماز

ظہر اصلاحی خطبات اور خلاصہ مضامین قرآن (جناب جمیل صاحب) اور بعد از نماز فجر تجوید (قاری محمد ارسلان صاحب) جاری ہیں۔
واٹس ایپ پر ''عربی گرامر'' کے ساتویں بیچ کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ کورس جون 2026ء سے شروع ہوگا۔
رواں ماہ آیئنہ انجمن کے لیے مضامین تیار کر کے شعبہ تصنیف و تالیف کو دیے گئے۔
مدرسۃ القرآن میں قاعدہ و ناظرہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے، جہاں تقریباً 38 طلبہ زیر تعلیم ہیں۔
رواں ماہ خطبہ جمعہ کی سعادت مدیر ادارہ جناب ڈاکٹر انوار علی صاحب نے حاصل کی۔

قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد

قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد میں رجوع الی القرآن کورس کا آغاز 13 اپریل سے ہو چکا ہے، جس میں تقریباً 25 حضرات اور 40 خواتین شریک ہیں۔
دوران ماہ ایک اسپیشل لیکچر ''علم کی فضیلت'' (استاذ مفتی مسعود الرحمن صاحب) منعقد ہوا۔
ان شاء اللہ ماہ مئی سے شام کے اوقات میں اور ہفتہ وار شارٹ کورسز کا آغاز کیا جائے گا۔
مدرسۃ القرآن برائے قاعدہ و ناظرہ میں اور بعد نمازِ مغرب بالغان کے لیے بھی قاعدہ و ناظرہ قرآن کی تعلیم اور بروز جمعہ بعد نمازِ مغرب تذکیر بالقرآن کے تحت درسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے۔
شعبہ سندھی تصنیف و تالیف کے تحت بانیٔ تنظیم اسلامی و مؤسس انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کتابچوں کا سندھی ترجمہ جاری ہے۔
رواں ماہ ''اسلام کی نشأۃ ثانیہ، جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ، پاکستان میں نظام خلافت کیا، کیوں اور کیسے؟، پاکستان کی اصل اساس اور استحکام پاکستان کی واحد بنیاد، انفرادی نجات کے لیے قرآن کا لائحہ عمل'' اور اس کے علاوہ مختصر بیان القرآن کے 10 پارے مکمل کر لیے گئے ہیں، جب کہ خلاصہ مضامینِ قرآن کا بھی سندھی ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔

قرآن انسٹیٹیوٹ بحریہ ٹاؤن

شعبہ حفظ و ناظرہ بوائز و گرلز کی تعلیم جاری ہے۔ اس کے ساتھ بچوں کو مطالعہ قرآن از علم فاؤنڈیشن کے اسباق کا مطالعہ بھی کروایا جاتا ہے۔
رجوع الی القرآن کورس مکمل کرنے والوں اور نئے سال کی رجسٹریشن کرنے والے حضرات و خواتین کے لیے ایک پر وقار ''تقریب اسناد و تعارفی نشست برائے رجوع الی القرآن'' قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں زیر صدارت نگران اعلیٰ انجمن خدام القرآن و امیر تنظیم اسلامی جناب شجاع الدین شیخ صاحب منعقد ہوئی، کورس میں کامیاب ہونے طلبہ میں اسناد تقسیم کی گئیں۔
قرآن انسٹیٹیوٹ بحریہ ٹاؤن میں نئے رجسٹریشن کرانے والے حضرات و خواتین کو افتتاحی تقریب میں آگاہ کیا گیا کہ یہ کورس قرآن کریم کو سمجھنے اور فہم دین کے حصول کے لیے بنیادی دینی علوم پر مشتمل ہے۔ اس تقریب میں بانیٔ محترم کی ڈاکو مینٹری Journey of Anjuman al Khuddam ul Quran دیکھائی گی، جس میں بانیٔ محترم کی قرآن اکیڈمی بنانے کے لیے مساعی کو اجاگر کیا گیا ہے۔
خصوصی محاضرات کے ذیل میں ''فضیلت علم'' (استاد سلیم الدین صاحب، مدیر قرآن اکیڈمی یاسین آباد)، ''دین کا ہمہ گیر تصور'' اور ''دینی فرائض کا جامع تصور'' (استاد انجینئر عثمان علی صاحب) کے موضوعات پر تین لیکچرز منعقد ہوئے۔ شرکا کو بتایا گیا کہ اسلام صرف عبادات تک محدود نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن مرکز لانڈھی

مدرسۃ القرآن للحفظ و القراءۃ للبنین و البنات میں شعبہ بنین کے درجہ حفظ میں 55 جب کہ درجہ قاعدہ و ناظرہ میں 44 طلبہ اور شعبہ بنات میں 43 طالبات زیر تعلیم ہیں۔

حلقات ودورات دینیہ کے تحت حضرات کے لیے بعد نماز عشاء 'عربی گرامر، تجوید القرآن، آداب زندگی اور دروس اللغۃ العربیہ' جب کہ خواتین کے لیے سہ پہر 3:00 تا 4:30 'تجوید القرآن اور آداب زندگی' کی کلاسز کا آغاز کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ماہانہ درس (برائے خواتین) کا دوپہر کے اوقات میں انعقاد کیا گیا۔

ہفتہ وار درسِ قرآن (بروز جمعہ) میں سورۃ الانبیاء کا مطالعہ جاری ہے۔ امیر لانڈھی تنظیم و ناظم مرکز محترم محمد ہاشم صاحب درس کی ذمہ داری ادا فرماتے ہیں۔

شعبۂ ملٹی میڈیا

خطباتِ جمعہ (محترم شجاع الدین شیخ صاحب):

ماہِ اپریل 2026ء میں محترم شجاع الدین شیخ صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطبہ جمعہ کی ویڈیو ریکارڈنگ کی گئی جسے انجمن اور تنظیمِ اسلامی کی ویب سائٹ اور سوشل میڈیا پر شائع کیا گیا:

ہمیشہ رہنے والی دولت | ڈیجیٹل فاسٹنگ | اسلام آباد مذاکرات، صہیونی شرارتیں اور اُمت مسلمہ کا لائحہ عمل
تبصرہ: مسجد اقصیٰ پر صہیونی جارحیت۔۔۔ مذاکرات میں بے جا مطالبات۔۔۔ امت مسلمہ کا اتحاد
تذکرہ: توحید عملی کے تقاضے۔۔۔1 آیت 10 باتیں

خطباتِ جمعہ (محترم انجینئر نعمان اختر صاحب):

ماہِ اپریل 2026ء میں محترم انجینئر نعمان اختر صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطباتِ جمعہ کی آڈیو ریکارڈنگ کی گئیں جنہیں انجمن کے ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا گیا:

حقیقی مسرت کا دینی فلسفہ / رمضان المبارک کے بعد کرنے کے کام	ہمارا گھر ہماری ذمہ داری | تعلق زوجین - بمنزلہ لباس
ہمارا گھر ہماری ذمہ داری / تعلق زوجین / اسرائیل میں انسانیت سوز بل کی منظوری-اُمت مسلمہ کا طرزِ عمل	

خطباتِ جمعہ (محترم عامر خان صاحب):

ماہِ اپریل 2026ء میں محترم عامر خان صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطباتِ جمعہ کی آڈیو ریکارڈنگ کی گئیں جنہیں انجمن کے ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا گیا:

دعوت الی اللہ	مضامین سورۃ الکہف (درس نمبر 01)

خطباتِ جمعہ (محترم ڈاکٹر محمد الیاس صاحب):

ماہِ اپریل 2026ء میں محترم ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطباتِ جمعہ کی آڈیو ریکارڈنگ کی گئیں جنہیں انجمن کے ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا گیا:

توبہ اور شکر کرنے کی اہمیت

ماہ رواں میں درج ذیل امور سرانجام دیے گئے: محترم انجینئر نعمان اختر صاحب کا دورۂ ترجمہ قرآن 2026ء جو کہ گلستان جوہر میں منعقد ہوا، اس کے تیسویں دن کا مصحف ریکارڈ کیا گیا اور ریکارڈنگ الگ بیک گراؤنڈ پر رکھ کر ایڈٹ کی گئی، جو کہ دو قسطوں پر مشتمل تھا، علاوہ ازیں مکمل دورے کی آرکائیونگ بھی کی گئی۔

محترم ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کا Youth Meetup جو کہ قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں منعقد ہوا، اس کی ایڈیٹنگ کی گئی۔ جس کا دورانیہ 2 گھنٹے 22 منٹ تھا۔ اسی طرح استاذ محمد نعمان صاحب کا عربی گرامر کورس جو کہ ریکارڈڈ ہے اس کی کلاس نمبر 18 تا 21 تک کی 4 کلاسز ایڈٹ کی گئی جس کی 1 کلاس کا کل دورانیہ 45 سے 60 منٹ ہے۔

رجوع الی القرآن کورس کی سالانہ تقریبِ تقسیمِ اسناد قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوئی:

ملٹی میڈیا (SMD) پروجیکشن کے لیے مواد تیار کیا گیا۔ براہ راست قرآن چینل پر نشر کیا گیا۔ مکمل ریکارڈنگ کی گئی۔ بعد ازاں اسے علیحدہ علیحدہ قسطوں کی شکل دیکر اور علیحدہ Thumbnails بنا کر قرآن چینل پر نشر کیا گیا۔

مندرجہ ذیل کتابچوں کی آڈیو ریکارڈنگز کی گئیں:

1. قرآن مجید اور ہماری ذمہ داریاں (سندھی زبان میں)، جس کا دورانیہ 59 منٹ رہا۔
2. راہِ نجات، جس کا دورانیہ 1 گھنٹہ 55 منٹ رہا۔
3. مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق (سندھی زبان میں)، جس کا دورانیہ 1 گھنٹہ 11 منٹ رہا، کتابچے کا آدھا حصہ ابھی باقی ہے۔

اور مندرجہ ذیل آڈیوز کی ایڈیٹنگ کی گئیں:

1. قرآن مجید اور ہماری ذمہ داریاں (سندھی زبان میں)۔
2. راہِ نجات۔

علاوہ ازیں نگرانِ انجمن جناب شجاع الدین شیخ صاحب کے خطابِ جمعہ کے درمیان 1 منٹ پر محیط 3 شارٹ کلپس ریکارڈ کر کے مرکز کو فراہم کیے گئے۔

رجوع الی القرآن کورس کی کلاس کے دوران 4 شارٹ کلپس ریکارڈ کیے گئے۔

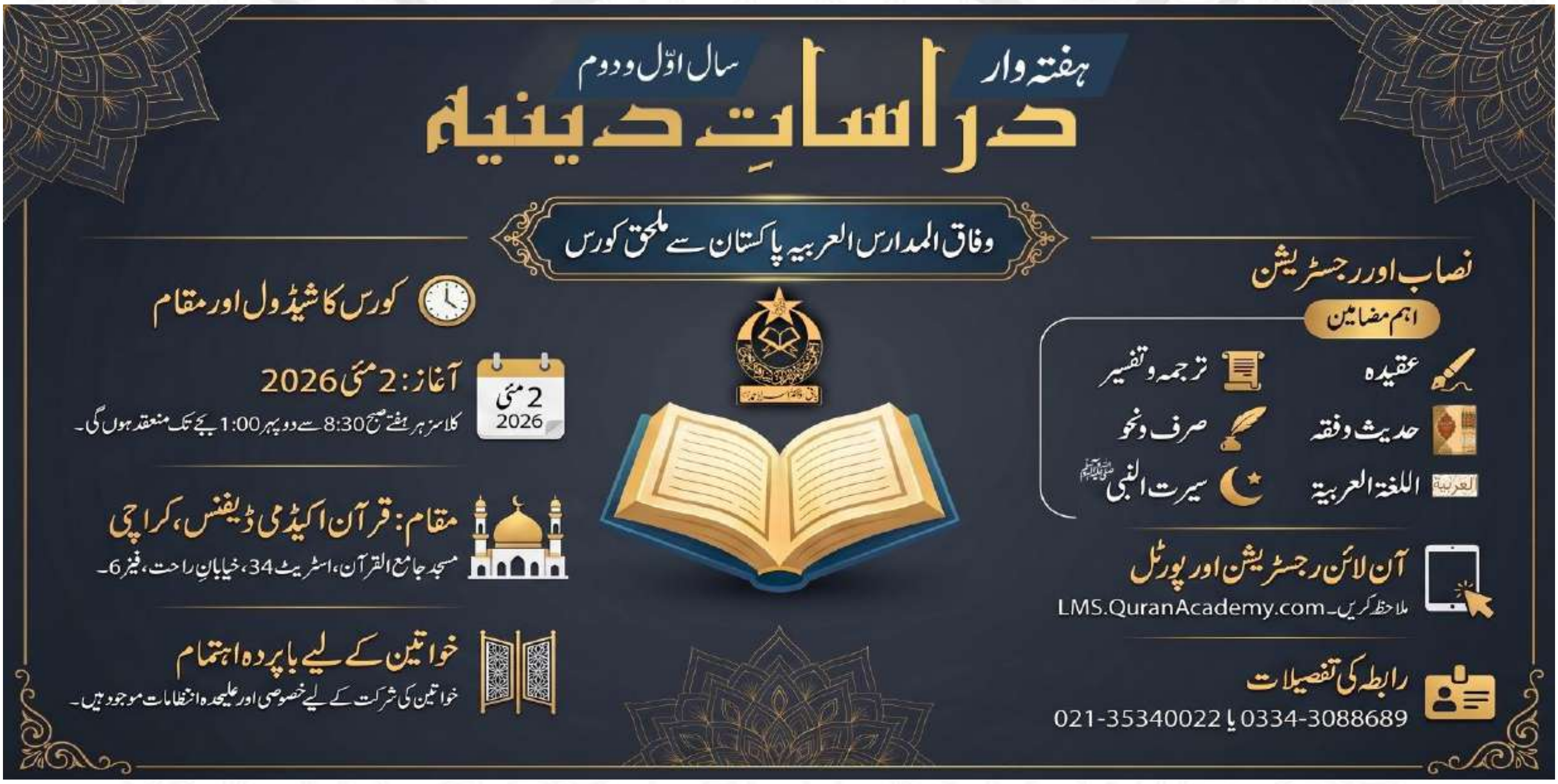

انجمن خدّام القرآن اغراض و مقاصد

انجمن خُدّامُ القرآن
سندھ، کراچی، رجسٹرڈ

انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی کے قیام کا مقصد منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے۔ تاکہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہوجائے اور اس طرح اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہوسکے۔

انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی کے اغراض و مقاصد:

- عربی زبان کی تعلیم و ترویج۔
- قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق۔
- علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت۔
- ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو تعلّم و تعلیم قرآن کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیں، اور
- ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام جو قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کرسکے۔

☆☆☆

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مرکزی دفتر انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی، رجسٹرڈ 375 – B، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6، گلشن اقبال، کراچی۔ فون نمبر 7 – 34993436 – 021